ڈائرکٹوریٹ آف ڈِسٹینس ایجوکیشن، یونیورسٹی آف جموّں، جموّں

کلاس: ایم۔اے	مضمون : اُردو
کورس نمبر: 206 (اردو صحافت)	سمسٹر: دوئم
یونٹ: I-IV	اکائی: 1-24

پروفیسر (ڈاکٹر) شہاب عنایت ملک	ڈاکٹر لیاقت علی
کورس کوآرڈی نیٹر	انچارج ٹیچر

(c) جُملہ حقوق محفوظ ہیں۔ اِس کتاب کا کوئی حِصّہ کسی شکل میں جموّں یونیورسٹی کی تحریری اِجازت کے بغیر شائع نہ کیا جائے۔

زیر اہتمام: نظامت فاصلاتی تعلیم، جموں یونیورسٹی، جموں

مضمون نگار:

۱۔ **ڈاکٹر شفیع ایوب**، ایس ایل ایل & سی آئی ایل، جے این یو، نئی دہلی۔ (1,2 & 3)

۲۔ **ڈاکٹر عجاز حسین شاہ**، لیکچرر، شعبہ اردو، جموں یونیورسٹی، جموں۔ (4 to 24)

پروف ریڈنگ : **ڈاکٹر لیاقت علی**

اور انچارج ٹیچر (اردو) ڈی۔ڈی۔ای، جموں یونیورسٹی جموں

اڈیٹنگ

SYLLABUS

COURSE NO. 201 (URDU JOURNALISM)

CREDITS : 04 DURATION OF EXAMINATION : 2.30 HOURS

M. MARKS : 100

a) Semester Examination: 80 Marks

b) Internal Assessment: 20 Marks

Objectives:

The Course intends to provide sufficient knowledge of both historthe they and development of Journalism in general and an insight into technical aspects of the subject in particular. The course shall be spread over 4 units as detailed below:

UNIT-I General study of Journalism with special reference to the following:

1. Journalism, its aims and objectives.
2. Beginning and development of Journalism in the world.
3. Early printing devices and later development.
4. Role of Journalism in changing world.
5. Concept of yellow Journalism and its dangers.

UNIT-II. Study of the following:

1. The beginning of printed Journalism in India in (A) Persian and (B) English languages.
2. Beginning and development of Urdu Journalism.
3. Contribution of Delhi Urdu Akhbar, Sayyed-ul-Akhbar,Fawaid-Al-Nazrin.
4. Urdu Journalism during 1857.
5. Ovadh Akhbar and Ovadh Panch.
6. Akhbar Scientific Society, Tehzib-Ul-Akhlaq.
7. The beginning of Daily Press in Urdu.
8. The Zamindar, Hamdard and Al-Hilal.

UNIT-III. Study of the following.

1. Urdu Journalism after the world war-I.
2. Journalism, Press laws and Journalistic ethics.
3. Modern Journalism, its important features.
4. Some important Urdu Newspapers of 20th century and their contribution.
5. Literary Journalism
6. Role of News Agencies in the development of Urdu Journalism.

UNIT-IV. Study of the following.

1. Principles of News writing.
2. Principles of Editorial writing.
3. How the headlines are framed.

4. The Principles of coloumn writing.

5. Letters to the Editor and their placement.

6. Importance of language in a good Journal.

NOTE FOR PAPER SETTER:

There are four units in the course No:- URD-206
This Paper shall be devided in four Units viz Unit-I, Unit-II, Unit-III and Unit-IV. The Paper setter shall be set two question from each Unit, asking candidates to attempt one question from each Unit. The total number of questions to be attemted in this Paper shall be 4, which will carry equal marks. Unit wise distribution of marks shall be as Unit-I = 20, Unit-II = 20, Unit-III = 20, Unit-IV = 20. Total is 80.Distribution of Internal Assessments shall be two home assignments = 10x2 =20.

Books Recommended:

1. Mazamin by Mohd Ali.

2. Intikhab-I-Ovadh Panch by Nadim

3. Intikhab-I_Al-Hilal by Azad

4. Urdu Sahafat ki Tarikh by Imdad Sabri

5. Hindustan Akhbar Navisi."Company ke Ahed Navisi by Baljit Muteer.

6. Sahafat Pak Aur Hind Mein by Abdulsalam Khursheed.

7. Rehbar-e-Akhbar Navisi by Sayed Iqbal Qadri.

8. Iblagheyaat by Prof. Shahid.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فہرست

اِکائی1	صحافت اغراج ومقاصد	1
اِکائی2	دنیا میں صحافت کا آغاز وارتقاء	14
اِکائی3	پرنٹنگ کے ابتدائی آلات	26
اِکائی4	بدلتی ہوئی دنیا میں صحافت کا کردار	38
اِکائی5	زرد صحافت کا تصور	42
اِکائی6	ہندوستان میں مطبوعہ صحافت کا آغاز	45
اِکائی7	اردو صحافت کا آغاز وارتقاء	51
اِکائی8	سیدالاخبار، فوائدالناظر، دہلی اردو اخبار	59
اِکائی9	1857ء کے دوران اردو صحافت	64
اِکائی10	اودھ اخبار اور اودھ پنچ	68
اکائی11	اخبار سائنٹفک سوسائٹی اور تہذیب الاخلاق	75
اکائی12	روزانہ صحافت کا آغاز	83
اکائی13	زمیندار، ہمدرد اور الہلال	87
اکائی14	اردو صحافت پہلی جنگ عظیم کے بعد	93
اکائی15	صحافت، صحافتی قوانین اور صحافتی اخلاقیات	96
اکائی16	جدید صحافت اور اس کے اہم عناصر	109
اکائی17	بیسویں صدی کے کچھ اہم اخبارات اور ان کی خدمات	115
اکائی18	ادبی صحافت کا اغاز وارتقاء	120

اکائی19	خبر رساں ایجنسیوں کا اردو صحافت میں کردار	126
اکائی20	خبر کی تحریر کے اصول وضوابط	130
اکائی21	سرخیاں کیسے بنائی جاتی ہیں	138
اکائی22	کالم نگاری کے اصول وضوابط	146
اکائی23	ایڈیٹر کے نام خطوط	151
اکائی24	اچھے اخبار میں زبان کی اہمیت	154
	اسائنمنٹ سوالات	157

☆☆☆٪☆☆☆٪☆☆☆٪☆☆☆

اکائی نمبر1: صحافت: اغراض ومقاصد

ساخت

1.1 اغراض ومقاصد

1.2 تمہید

1.3 صحافت کی تعریف

1.4 صحافت کے بنیادی عناصر

1.5 صحافت کا عہد بہ عہد ارتقاء

1.6 آپ نے کیا سیکھا

1.7 اپنا امتحان خود لیجئے

1.8 سوالات کے جواب

1.9 فرہنگ

1.10 کتب برائے مطالعہ

1.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ کو سمجھانے کی کوشش کی جائے گی کہ

1۔ صحافت کی تعریف کیا ہے؟

2۔ لفظ صحافت سے کیا مراد ہے؟

3۔ دنیا میں صحافت کن مراحل سے گزری ہے

4۔ صحافت کا اصل مقصد کیا ہے؟

5۔ صحافت نے انسانی سماج کو کس طرح متاثر کیا ہے؟

1.2 تمہید

صحافت کے آغاز نے دنیا میں مثبت تبدیلی لانے کا کام کیا۔صحافت نے سماج کے ہر فرد کو اطلاع بہم پہنچائی۔ اطلاعاتی سماج کی تعمیر میں صحافت کا رول سب سے اہم رہا ہے۔انسان کی بنیادی ضرورتوں میں روٹی، کپڑا اور مکان کے بعد سب سے زیادہ ضروری شئے ترسیل یعنی کمیونی کیشن ہے۔انگریزی لفظ (Communication) کے معنی ترسیل یا ابلاغ کے ہوتے ہیں۔صحافت کے بنیادی مقاصد میں ترسیل کو عام و سہل بنانا اور ترسیل کے دائرے کو وسیع تر کرنا بھی ہے۔ پروفیسر محمد شاہد حسین اپنی کتاب ''ابلاغیات'' میں لکھتے ہیں ''ترسیل عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مفہوم ہے بھیجنا، روانہ کرنا۔اُردو میں یہ انگریزی لفظ کمیونیکیشن (Communication) کی جگہ استعمال کیا جا رہا ہے جو لاطینی لفظ کمیونس (Communis) سے بنا ہے۔جس کے معنی ہیں کامن یعنی مشترک۔ جب ہم کسی جذبے، خیال، معلومات یا محسوسات کو دوسرے تک بھیجتے ہیں تو اسے مشترک کرتے ہیں گویا اس میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔لہٰذا، خیالات، تجربات و محسوسات میں دوسروں کو شریک کرنے کا عمل ترسیل کہلاتا ہے''

صحافت کا جمہوریت سے بڑا گہرا تعلق ہے۔جمہوریت میں عوام کو سب کچھ جاننے کا حق ہے۔عوام کو جانکاری دینے کے لئے صحافت سے بہتر اور کارآمد کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔ دورِ بادشاہت میں عوام کو جانکاری دینا یا نہ دینا بادشاہ کی مرضی پر منحصر تھا لیکن جمہوریت میں یہ عوام کا حق ہے۔اس لئے بہتر اور صحت مند جمہوریت کے لئے بہتر صحافتی نظام کی بہت ضرورت ہے۔ جمہوریت میں صحافت کی اہمیت اس قدر ہے کہ اسے جمہوریت کا چوتھا ستون کہتے ہیں۔ ہنگری کے رہنے والے جوسف پلتزر کو صحافت کا باوا آدم (Father of Journalism) کہا جاتا ہے۔ جوسف پلتزر کے نام پر صحافت کا پُر وقار ایوارڈ دیا جاتا ہے۔ جوسف پلتزر 10 اپریل 1847 کو پیدا ہوا، اس نے ایک صحافی اور ایک بے باک پبلشر کی حیثیت سے ابتدائی زمانے میں ہی صحافت کے خدوخال نمایا کرنے کا کام کیا۔ جوسف پلتزر نے ہی صحافت کو بڑے طاقت ور تجارتی اداروں سے آزاد کرانے کا کام کیا۔اس نے کہا اور کر کے دکھایا بھی کہ صحافت عام

لوگوں کے لئے ہے اور بدعنوانی کے خلاف ہے۔ گویا صحافت نے اپنے ابتدائی ایام میں ہی اصول وضع کر لئے تھے کہ صحافت ہر قسم کی بدعنوانی کے خلاف ہے۔ اور سچ بات یہ ہے کہ آج بھی صحافت کو اسی نقش قدم پر چلنا ہے۔

صحافت کے بنیادی مقاصد میں ایک اہم مقصد ہے لوگوں تک اطلاعات بہم پہنچانا تا کہ لوگ خود اچھے برے کی تمیز کر سکیں۔ عوام حقائق کی روشنی میں خود فیصلہ کر سکے اس کے لئے اطلاعات کو ہونا بہت ضروری ہے۔ عوام تک درست اور بر وقت اطلاعات کا پہنچانا صحافت کا بنیادی کام ہے۔ صحافت کا مقصد براہ راست رائے عامہ کو متاثر کرنا نہیں ہے بلکہ صحافت عوام تک اطلاعات پہنچا دے اور عوام کو صحیح غلط کا فیصلہ کرنے دے۔ یہی صحافت کا بنیادی مقصد رہا ہے۔ صحافت کے لئے جو اصول بنائے گئے ان میں صداقت اور معروضیت کو سرفہرست رکھا گیا۔ صحافی کا کام حقائق کو من وعن پہنچا دینا ہے خواہ وہ ان حقائق کو پسند کرے یا ناپسند۔ صحافت میں ذاتی پسند یا ناپسند کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ یہاں بنیادی مقصد ہے حقائق کو عوام تک پہنچانا۔ صداقت اور درستگی کے ساتھ ساتھ بے باکی، آزاد خیالی، انسانیت، حق گوئی اور غیر جانب داری کو بھی صحافت کے اہم اصولوں میں شامل کیا گیا ہے۔

1.3 صحافت کی تعریف

لغت کے اعتبار سے 'صحافت' عربی لفظ ہے جس کے معنی اخبار نویسی کے ہیں۔ اصطلاح میں صحافت تحریر کی اس ہیت کو کہتے ہیں جس میں لوگوں کو وہ بتایا گیا ہو جو واقعی رونما ہوا ہو اور لوگوں کو اس کا علم نہ ہو۔ عبدالسلام خورشید اپنی کتاب ''فن صحافت'' میں لکھتے ہیں: صحیفے سے مراد ایسا مطبوعہ مواد ہے جو مقررہ وقفے کے بعد شائع ہوتا ہے چنانچہ تمام اخبارات ورسائل صحیفے ہیں، اور جو لوگ اس ترتیب وتحسین اور تحریر سے وابستہ ہیں انھیں صحافی کہا جاتا ہے، اور ان کے پیشے کو صحافت کا نام دیا گیا ہے''۔ مختلف ماہرین نے صحافت کی تعریف کی ہے۔ ابلاغیات میں صحافت کی ایک تعریف یوں بھی کی گئی ہے۔ ''صحافت جدید وسائل کے ذریعے عوامی معلومات رائے عامہ اور عوامی تفریحات کی باضابطہ اور مستند اشاعت کا فریضہ ادا کرتی ہے۔'' دراصل صحافت ایک پیشہ ہے جس میں کچھ ماہر افراد اپنی پیشہ ورانہ مہارت کو بروئے کار لاتے ہوئے عوام کو اطلاعات پہنچانے کا کام کرتے ہیں۔

1.4 : صحافت کے بنیادی عناصر

صحافت کے بنیادی عناصر میں ایک اہم عنصر سچائی اور حقیقت ہے۔ حقیقت اور صداقت کے بغیر صحافت کا تصور بے معنی ہے۔ دوسرا اہم عنصر عوام کی طرف داری ہے۔ صحافت حکومت کی طرفدار نہیں ہوگی بلکہ عوام کے تئیں ایماندار اور مخلص ہوگی۔ صحافت افواہ پر نہیں بلکہ حقیقت پر اپنی خبروں کی بنیاد رکھے گی۔ سچائی کو پرکھنا بھی صحافت کا ایک اہم عنصر ہے۔ جن اجزا سے صحافت کی دنیا کی تعمیر ہوتی ہے ان میں خبروں کی غیر جانب داری بھی ایک اہم جز ہے۔ اسی کے ساتھ صحافیوں کو اپنے ضمیر کی آواز پر حق و باطل کا امتیاز کرنا بھی صحافت کا ایک اہم جز ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر محمد شاہد حسین اپنی کتاب ''ابلاغیات'' میں لکھتے ہیں ''صحافت معاشرے کی بہتر تربیت بھی کرتی ہے، انتظام و امن کے قیام میں مدد بھی دیتی ہے، معاشرے کی مختلف اقدار کے تحفظ میں معاون بھی ہوتی ہے اور عوامی رجحانات کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ عوام کے حقوق کی حفاظت بھی کرتی ہے''۔ صحافت کے بنیادی عناصر میں کا ذکر کرتے ہوئے زیادہ تر ماہرین نے لکھا ہے کہ صحافت کسی بھی ملک میں حکمرانوں کی طرف داری کے بجائے شہریوں کی طرف دار ہوتی ہے۔

1.5: صحافت کا عہد بہ عہد ارتقاء

دنیا میں چھاپہ خانے کی ایجاد سے پہلے صحافت کا آغاز ہو چکا تھا۔ مطبوعہ صحافت سے بہت پہلے قلمی صحافت کا آغاز ہوا۔ کہیں کوئی واقعہ یا حادثہ رونما ہوا تو اس کی خبر ہاتھ سے لکھ کر لوگوں تک پہنچائی جاتی تھی۔ ''ہندستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں''، محمد عتیق صدیقی کی بہت مشہور کتاب ہے، اس کتاب کے صفحہ نمبر 19 پر رقم طراز ہیں:

> ''حضرت مسیح سے کوئی 751 برس پہلے رومن راج میں روزانہ ایک قلمی خبر نامہ جاری کیا جاتا تھا۔ جس میں سرکاری اطلاعیں نیز میدان جنگ کی خبریں ہوتی تھیں۔ اس قلمی خبر نامے کو ''اکٹا ڈیورنیا'' کہتے تھے۔ یہ لاطینی زبان کا

لفظ ہے، جو ACTA اور DURNA سے مرکب ہے۔ اول الذکر کے معنی
ہیں کارروائی اور موخر الذکر کے معنی ہیں روزانہ''

جب ہم صحافت کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں، یا صحافت کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اسے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا حصہ دنیا میں صحافت کا آغاز وارتقاء اور دوسرا حصہ ہندستان میں صحافت کا آغاز وارتقاء سے متعلق ہوتا ہے۔ اور پھر جب ہم ہندستان میں صحافت کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اردو صحافت کی تاریخ پر خصوصی دھیان دیتے ہیں۔ جہاں تک صحافت کی تاریخ کے پہلے حصے کا تعلق ہے تو جرمنی میں مطبوعہ صحافت کے آغاز سے پہلے اٹلی کے مشہور تاریخی شہر وینس (Vanice) میں خبریں سنانے کا جو رواج برسوں چلتا رہا اسے جدید اخبار نویسی کا نقش اول قرار دیا جاتا ہے۔ 1566ء کے آس پاس قدیم شہر وینس میں یہ طریقہ عام تھا کہ ایک شخص سڑک کے کنارے ایک مقام پہ کھڑے ہو کر لوگوں کو ان کی دلچسپی کی خبریں پڑھ کر سناتا تھا۔ جن قلمی مسودوں سے یہ خبریں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں وہ مسودے حکومت کی نگرانی میں مرتب کئے جاتے تھے۔ ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ جو لوگ یہ خبریں سنتے تھے ان سے ایک گزیٹا (Gazetta) وصول کیا جاتا تھا۔ اس وقت شہر وینس میں رائج سکے کو گزیٹا کہتے تھے۔ اسی لفظ گزیٹا سے گزٹ ایجاد ہوا جسے اخبار کے معنی میں ادا کرتے تھے۔ یہیں سے یہ لفظ ہندستان بھی پہنچا اور جب 1780 میں کلکتہ سے جیمس اگسٹس ہکی نے انگریزی زبان میں پہلا اخبار جاری کیا تو اس کا نام ''ہکیز بنگال گزٹ'' رکھا گیا۔ شہر وینس میں جب یہ تجربہ کامیاب رہا تو پھر برطانیہ میں بھی اسے دہرایا گیا اور حکومت کی نگرانی میں ایک قلمی خبر نامہ جاری کیا گیا جسے ''نیوز شیٹ'' (News Sheet) کہتے تھے۔ جہاں تک پہلے مطبوعہ اخبار کی بات ہے تو اس کا سہرا جرمنی کے سر ہے۔ انور علی دہلوی اپنی مشہور کتاب ''اردو صحافت'' کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''پہلا مطبوعہ خبر نامہ ۱۶۰۹ء میں جرمنی میں جاری کیا گیا۔ اس کا نام تھا'' اویسا ریلیشن اڈ رزیٹنگ'' (Avisa Relation Order Zeitung) اور پھر دو سال بعد اسی طرح کا ایک چھپا ہوا خبر نامہ انگلستان میں پہلے پہل ۱۶۱۱ء میں ''نیوز فروم اسپین'' News From Spain کے نام سے شائع ہوا۔ لیکن اس کی شکل وصورت اور اس کا رنگ

ڈھنگ اخباری نہ تھا۔ پہلا باضابطہ اخبار انگریزی زبان میں ۱۶۲۰ء میں
شائع ہوا۔ اس کا نام ویکلی نیوز تھا اور اس کے ایڈیٹر نے تھا نیل
بٹلر(Nathanial Buttler) تھے۔اس کے بعد ۱۶۳۱ء میں فرانس
سے ''گزٹ دافران سے'' (Gazette de France) جاری ہوا۔
امریکا کا پہلا اخبار ''پبلک آکورینس'' تھا جس کا ۱۶۹۰ء میں بوسٹن سے اجرا ہوا۔''

جہاں تک ہندستان میں اخبارنویسی کی تاریخ کا تعلق ہے تو یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مغلوں کے عہد میں شاہی محل کے لئے روزانہ ایک قلمی اخبار جاری کیا جاتا تھا۔ یہ قلمی اخبارات شاہی محل کے باہر دور دراز کے علاقوں میں بھی بھیجے جاتے تھے۔لیکن مطبوعہ صحافت کی جہاں تک بات ہے تو سب سے پہلے شہر کلکتہ سے انگریز افسر مسٹر جیمس اگسٹس ہکی نے سن 1780 میں اپنا اخبار ''ہکیز بنگال گزٹ'' جاری کیا۔اس اخبار کا ایک اور نام ''کلکتہ جنرل ایڈورٹائزر'' بھی تھا۔ اور جب ہم اردو صحافت کی تاریخ پہ نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان میں 1822 سے پہلے اردو صحافت کا وجود نہیں تھا۔1780 میں ہندستان میں مطبوعہ صحافت کا آغاز ہوتا ہے اور اس کے تقریباً بیالیس برس بعد اردو صحافت کا جنم اسی کلکتہ شہر سے ہوا جہاں سے جیمس اگسٹس ہکی نے انگریزی زبان میں پہلا اخبار شائع کیا تھا۔''جام جہاں نما'' اردو کا پہلا اخبار تھا جو کلکتہ سے شائع ہوا۔ یہ اخبار ہفتہ وار تھا اور کبھی اردو، کبھی فارسی اور کبھی دونوں زبانوں میں نکلا۔اس کے مالک ہری ہردت بنگو اور مدیر منشی سدا سکھ تھے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ ابتدا میں اخبارات ہفتہ وار ہی تھے۔ روزنامہ اخبار کی ابتدا بہت بعد میں ہوئی۔ پہلا اردو روزنامہ اخبار 1858 میں کلکتہ سے شائع ہوا جس کا نام ''اردو گائیڈ'' تھا۔ ایک زمانے تک دہلی سے شائع ہونے والے اخبار ''دہلی اردو اخبار'' کو ہی اردو کا پہلا اخبار سمجھا جاتا تھا۔لیکن صحافی اور محقق گربچن داس چندن کی تحقیق نے یہ ثابت کر دیا کہ اردو کا پہلا اخبار کلکتہ سے شائع ہونے والا ''جام جہاں نما'' تھا۔ مشہور ادیب اور ادبی مورخ مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر نے 1837 میں دہلی سے اپنا اخبار ''دہلی اردو اخبار'' جاری کیا تھا۔ 1857 کے انقلاب کے بعد یہ اخبار بند ہو گیا تھا۔ 'پیام آزادی' 'سراج الاخبار' اور 'صادق الاخبار' کے ساتھ 'دہلی اردو اخبار' ہی ایک ایسا اخبار تھا جس کی اشاعت ۱۸۵۷ء کے ہنگامی حالات میں بھی ہو رہی تھی۔ اور یہ اخبارات انقلابی جذبات و خیالات کی ترجمانی کر رہے تھے۔خورشید مصطفیٰ رضوی نے اپنی کتاب 'تاریخ جنگ

آزادی ۱۸۵۷ء میں لکھا ہے:

''اگر صرف دہلی کے اخبارات پر نظر ڈالیں تو ان میں انقلابی جذبات کا دریا موجزن دکھائی دے گا۔ دہلی سے بغاوت کے دوران چند اخبارات خاص طور پر نمایاں تھے۔ مثلاً 'دہلی اردو اخبار' 'صادق الاخبار' 'سراج الاخبار' (فارسی) وغیرہ۔ 'دہلی اردو اخبار' جولائی ۱۸۵۷ء میں 'اخبار الظفر' کے نام سے نکلا۔ 'سراج الاخبار' فارسی میں تھا اور بہادر شاہ ظفر کے روزنامچے کی حیثیت رکھتا تھا۔''

(خورشید مصطفیٰ رضوی، تاریخ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص ۳۴۴)

بعض ناقدین اور مورخین نے ''دہلی اخبار'' اور ''دہلی اردو اخبار'' کو دو الگ الگ اخبار قرار دیا ہے۔ احسن مارہروی نے بھی اپنی کتاب تاریخ نثر اردو میں اس کا تذکرہ اس انداز سے کیا ہے کہ گویا یہ دو الگ الگ اخبارات تھے۔ لیکن تحقیق نے یہ ثابت کیا کہ ایک ہی اخبار دو الگ الگ ناموں سے جاری ہوا۔ جن غیر ملکی دانشوروں نے اردو زبان و ادب کی بے پناہ خدمت کی ہے ان میں گارساں دتاسی کا نام بہت اہم ہے۔ گارساں دتاسی بھی ''دہلی اردو اخبار کے حوالے سے غلط فہمی کا شکار ہوئے۔ انھوں نے دہلی میں صحافت کی ابتدا کا ذکر کرتے ہوئے ''سراج الاخبار'' کو دہلی کا سب سے پرانا اخبار قرار دیا ہے۔ لیکن یہ گارساں دتاسی کے قیاس پر مبنی ہے۔ چونکہ بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا نام سراج الدین تھا اس لئے گارساں دتاسی نے قیاس کیا کہ یہ اخبار بہادر شاہ ظفر نے جاری کیا ہوگا۔ اور بادشاہ سے پہلے بھلا کون اخبار جاری کر سکتا تھا۔ اس لئے گارساں دتاسی نے قیاس کیا کہ دہلی سے شائع ہونے والا اردو کا پہلا اخبار ''سراج الاخبار'' ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ''سراج الاخبار'' ۱۸۴۱ء میں جاری ہوا جبکہ اس سے چار سال پہلے ۱۸۳۷ء میں ''دہلی اردو اخبار'' جاری ہو چکا تھا۔ مولانا محمد حسین آزاد نے ۱۸۳۶ء میں اخبار کا جاری ہونا بیان کیا ہے مارگریٹا بارنس اپنی تصنیف انڈین پریس میں اس اخبار کو ۱۸۳۸ میں شائع ہونا بیان کرتی ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں ہے۔ اخبار کے نمبر اس کی تردید کرتے ہیں۔ پروفیسر اشتیاق حسین قریشی اور مولانا امداد صابری کی تحقیق کے مطابق ''دہلی اردو اخبار'' کا اجرا جنوری ۱۸۳۷ء میں ہوا۔ پہلے شمارے میں سید حسین صاحب کا نام بطور مہتمم شائع ہوا۔ پس پردہ سب کام مولوی محمد باقر کرتے

تھے لیکن بطور مہتمم کئی نام الگ الگ وقت میں شائع ہوتے رہے۔ سید حسین صاحب کے بعد معین الدین صاحب مہتمم ہوئے اور اس کے بعد موتی لعل کا نام بطور مہتمم اور پریس مینیجر کے شائع ہوا۔ اخبار کے ریکارڈ کے مطابق اپریل ۱۸۴۸ء میں مولوی محمد باقر بطور مہتمم کام کر رہے تھے۔ اپریل ۱۸۴۹ء میں محمد حسین (مولانا محمد حسین آزاد) بطور مینیجر روشناس کرائے گئے۔ ان کے علاوہ بھی کئی اور نام بطور پرنٹر پبلشر اخبار میں شائع ہوئے لیکن زیادہ تر مورخین کا خیال ہے کہ اخبار میں جو بھی تحریر ان حضرات کے نام سے چھپتی تھی وہ تحریر مولوی محمد باقر کی ہوتی تھی۔

۱۸۵۷ء تک شائع ہونے والے اردو کے اہم اخبارات میں جام جہاں نما، دہلی اردو اخبار، سید الاخبار، صادق الاخبار، کوہ نور، کریم الاخبار، شملہ اخبار، گلزار پنجاب، اعظم الاخبار، صدر الاخبار، قلب الاخبار، آفتاب عالم تاب اور چشمۂ فیض کا شمار کیا جاتا ہے۔ ہری ہر دت بنگو، منشی سدا سکھ لعل، مولوی محمد باقر، منشی کنڈا مل، منشی ہر سکھ رائے، فقیر سراج الدین، شیخ امداد، مولوی کریم الدین اور سید محمد خاں جیسے صحافیوں نے اردو صحافت کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۵۷ء تک خبر رسانی کے ذرائع محدود تھے۔ محدود وسائل کے ساتھ خبروں کو جمع کرنا آسان نہیں تھا۔ لیکن اردو صحافت نے مشکل حالات میں اپنے قارئین تک تازہ ترین خبریں پہنچانے کا کام کیا۔ انقلاب ۱۸۵۷ء تک اردو صحافت کی بنیادیں مضبوط ہو چکی تھیں۔

پنجاب کے مشہور اور دلیر رہنما مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور حکومت میں پنجاب سے کوئی اخبار نہیں نکلتا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت کا زمانہ ۱۸۰۱ء سے ۱۸۳۹ء تک ہے۔ ان کے جانشین مہاراجہ دلیپ سنگھ کو معزول کرنے کے بعد انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ پنجاب پر انگریزوں کے باضابطہ طور پر قبضہ کر لینے کے چند ماہ بعد ۱۴ جنوری ۱۸۵۰ء کو منشی ہر سکھ رائے نے اخبار ''کوہ نور'' لاہور سے جاری کیا۔ کوہ نور اپنے زمانے کا بڑا مشہور اخبار تھا۔ نہ صرف ہندوستانی بلکہ بعض بڑے انگریز افسر بھی اس اخبار کے خریدار تھے۔ کافی حد تک یہ اخبار انگریزی حکومت کا طرفدار تھا۔ انگریزی کی کئی کتابوں کا ترجمہ کرنے والے منشی سورج بھان اخبار ''کوہ نور'' کے پہلے مدیر تھے۔ منشی سورج بھان کے علاوہ اور کئی اہم شخصیات نے اس اخبار کی ادارت کی۔

ریاض الاخبار: منشی دیوان چند نے ۱۸۵۱ء میں سیالکوٹ سے ہفتہ روزہ ''ریاض الاخبار'' جاری کیا۔ منشی دیوان چند اپنے زمانے کے مشہور ترین صحافی تھے۔ انھوں نے ''ریاض الاخبار'' کے علاوہ بھی کئی اخبار جاری کئے۔ منشی دیوان چند نے ''چشمۂ فیض'' اور ''خورشید عالم'' نام کے ہفت روزہ اخبارات بھی جاری کئے۔ ان کا ایک مشہور اخبار ''

وکٹوریہ پیپر'' ۱۹۲۵ء تک جاری رہا۔ منشی دیوان چند اور ان کے اخبار کو انگریزوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ بعد میں انھوں نے سیالکوٹ کے بجائے گوجرانوالہ کو مرکز بنا کر اپنا مکتبہ قائم کیا۔ مکتبہ دیوان چند میں اردو، ہندی اور گرمکھی میں مذہبی کتابیں شائع ہوتی تھیں۔ اس مکتبہ سے منشی دیوان چند کو خاطر خواہ مالی فائدہ بھی پہنچتا تھا۔ وہ نہ صرف ایک تجربہ کار صحافی تھے بلکہ ایک کامیاب تاجر بھی تھے۔ منشی ہرسکھ رائے سے ان کی معاصرانہ چشمک تھی۔ منشی ہرسکھ رائے اردو کے بہت بڑے طرفدار تھے۔ وہ اردو تعلیم کے شیدائی تھے۔ جبکہ اردو میں اخبار نکالنے کے باوجود منشی دیوان چند اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کی مخالفت کرتے تھے۔

دہلی اردو اخبار کے ہم عصر اخباروں میں سید الاخبار کا نام بہت اہم ہے۔ اس اخبار کی اہمیت کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ اسے مصلح قوم سرسید احمد خاں کے بھائی سید محمد خاں نے جاری کیا تھا۔ یہ اخبار بھی ۱۸۳۷ء میں دہلی سے جاری ہوا تھا۔ ۱۸۴۶ء تک کی اس اخبار کی ادارت سید محمد خاں نے کی۔ ۱۸۴۶ء میں ان کے انتقال کے بعد کچھ عرصے تک سر سید احمد خاں نے اس اخبار کی ادارت کی۔ بعد کے زمانے میں جب سرسید احمد خاں برطانیہ سے واپس آ کر اسپیکٹیٹر اور ٹیٹلر کی طرز پر صحافت کا آغاز کرتے ہیں تو ''سید الاخبار'' کے زمانے کی ادارت سے جو تجربہ حاصل ہوا تھا وہ بہت کام آیا۔ ''سید الاخبار'' کے تجربے نے ''علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' اور ''تہذیب الاخلاق'' کی ادارت میں بہت ساتھ دیا۔ ایک طرف مولوی محمد باقر کا اخبار ''دہلی اردو اخبار'' مرزا غالب کی مخالفت میں خبریں چھاپنے کو اولیت دے رہا تھا تو دوسری جانب ''سید الاخبار'' میں غالب کے کلام کو نمایاں انداز میں شائع کیا جاتا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ خود سرسید احمد خاں مرزا اسد اللہ خاں غالب کے بڑے مداح اور قدردان تھے۔ اس لئے وہ غالب کی عظمت کے شایان شان ان کا کلام ''سید الاخبار'' میں شائع کرتے تھے۔ دہلی اور اطراف کے پڑھے لکھے لوگوں میں یہ اخبار قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ ''سید الاخبار'' کے ساتھ جس اخبار کا ذکر بار بار ہوا ہے وہ ''صادق الاخبار'' ہے۔ ۱۸۳۷ء سے ۱۸۵۷ء کے درمیان ''صادق الاخبار'' نام کے کئی اخبار دہلی سے شائع ہوئے۔ محمد عتیق صدیقی کی تحقیق کے مطابق اس نام کے پانچ سے زیادہ اخبار الگ الگ وقت میں دہلی سے شائع ہوئے۔ ۱۸۴۴ء میں دہلی سے شیخ امداد حسین نے اخبار ''صادق الاخبار'' جاری کیا۔ ۱۸۵۶ء میں دہلی سے ہی شیخ خدا بخش نے ''صادق الاخبار'' جاری کیا۔ ۱۸۴۵ء میں دہلی سے مولوی کریم الدین نے ''کریم الاخبار'' جاری کیا۔ مولوی کریم الدین نے رسالہ ''گل رعنا'' بھی شائع کیا تھا۔ انھوں نے

اپنے اخبار کا نام اپنے نام کی مناسبت سے رکھا تھا۔

جنگ آزادی ہند میں کچھ ایسے اخبار اور کچھ ایسے بہادر صحافی ہیں جن کا نام سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ان میں مولانا حسرتؔ موہانی اوران کا رسالہ ''اُردوئے معلیٰ''، مولانا ابولکلام آزاد اوران کا سب سے مشہور اخبار ''الہلال'' اور مولانا محمد علی جوہرؔ اوران کا اخبار ''ہمدرد'' قابل ذکر ہیں۔مولانا فضل الحسن حسرتؔ موہانی کی ایک اہم پہچان شاعر کی ہے، بلاشک وہ ایک ممتاز غزل گو شاعر تھے اور اردو کی غزلیہ شاعری میں اپنا خاص مقام رکھتے ہیں۔لیکن وہ ایک بے باک اور بے خوف مجاہد آزادی بھی تھے۔علی گڑھ سے انھوں نے سن 1903 میں رسالہ ''اُردوئے معلیٰ'' جاری کیا۔اس میں وہ حب الوطنی سے لبریز مضامین شائع کرتے تھے۔انھیں اس کی قیمت جیل جا کر چکانی پڑی۔اسی طرح مولانا ابولکلام آزاد ایک اعلیٰ پائے کے ادیب ومفکر تھے، وہ ایک عالم دین اور مفسر قران بھی تھے۔وہ آزاد ہندستان کے پہلے وزیر تعلیم تھے۔لیکن صحافتی دنیا میں بھی ان کے کارنامے نا قابل فراموش ہیں۔یوں تو وہ کئی اخبارات سے منسلک رہے لیکن جس ایک اخبار پر وہ خود فریفتہ تھے اور جس کو انھوں نے اپنی خصوصی توجہ سے تمام اخبارات کے لئے ایک معیار بنا دیا تھا وہ اخبار ہفتہ وار ''الہلال'' تھا۔مشہور ادیب ونقاد مالک رام الہلال کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''الہلال اپنی اشاعتی زندگی کے تین ادوار سے گزرا۔ الہلال کا پہلا دور 13 جولائی 1912 سے شروع ہوکر 18 نومبر 1914 پر ختم ہوتا ہے۔اس درمیان اس کے کل ایک سو گیارہ (111) شمارے شائع ہوئے ۔اس کا دوسرا دور ''البلاغ'' ہے جو 12 نومبر سے 31 مارچ 1916 کے زمانے کو محیط ہے۔الہلال کو تیسرا اور آخری دور 10 جون 1927 سے شروع ہوتا ہے اور 9 دسمبر 1927 پر ختم ہوتا ہے۔''

(حوالہ: مالک رام، کچھ ابولکلام آزاد کے بارے میں، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ص ۶۰)

مولانا محمد علی جوہر جنگ آزادی کے ایک بہادر سپاہی تھے۔انھوں نے انگریزی زبان میں اخبار ''کامریڈ'' اور اردو میں اخبار ''ہمدرد'' جاری کیا۔ان کا یہ اخبار آزادی کا طرفدار تھا۔اپنی بیباکی کے سبب بہت جلد اخبار ''ہمدرد'' مقبول ہوا لیکن انتظامی معاملات میں کمی کی وجہ سے یہ زیادہ دنوں تک شائع نہ ہوسکا۔اس زمانے میں مولانا ظفر علی خاں کا اخبار

''زمیندار'' اور منشی محبوب عالم کا اخبار'' پیسہ اخبار'' بھی بہت مقبول اخبار تھا۔ لالہ لاجپت رائے اور منشی دیا نرائن نگم بھی اردو صحافت کی دنیا کے بہت اہم نام ہیں۔ منشی دیا نرائن نگم نے ''زمانہ'' اور لالہ لاجپت رائے نے ''بندے ماترم'' جیسے اخبار نکال کر ہندستانی عوام میں بے داری لانے کا کام کیا۔

1947 میں ہمارا ملک آزاد ہوا۔ اب صحافت کے سامنے بھی نئے چیلینجیز تھے۔ دہلی سے ''ملاپ'' اور ''پرتاپ''، تو جالندھر سے ''ہند سماچار'' نے اردو کی مشعل روشن کی۔ حیدرآباد دکن سے ''منصف''، ''سیاست'' اور ''رہنمائے دکن'' نے اردو صحافت کی بنیاد کو مضبوط کرنے کا کام کیا۔ بمبئی سے ہفتہ وار ''بلٹز'' اور روزنامہ ''انقلاب'' نے آزادی کے بعد کے مسائل کو اردو صحافت کا موضوع بنایا۔

1.6 : آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں آپ نے سیکھا کہ

1۔ صحافت کسے کہتے ہیں یعنی صحافت کی تعریف کیا ہے۔

2۔ دنیا میں صحافت نے کیا تبدیلی پیدا کی ۔

3۔ کسی بھی مہذب سماج کے لئے صحافت کیوں ضروری ہے۔

4۔ اردو صحافت کا آغاز کب اور کیسے ہوتا ہے۔

5۔ اردو کے اہم صحافی کون کون ہیں۔

1.7 : اپنا امتحان خود لیجئے

1۔ صحافت کا سب سے اہم مقصد کیا ہے۔

2۔ بیسویں صدی کے پانچ اہم صحافیوں کے نام بتائیں۔

3۔ جنگ آزادی میں قید و بند کی صعوبت برداشت کرنے والے دو صحافیوں کے نام بتائیں۔

4۔ اردو کا پہلا روزنامہ اخبار کا کیا نام تھا اور کہاں سے شائع ہوا؟

5۔ دہلی سے شائع ہونے والے چار اہم اردو اخباروں کے نام لکھیں۔

1.8 : سوالات کے جواب

1۔ صحافت کا سب سے اہم مقصد ہے عوام تک اطلاعات و خبر کا پہنچانا۔

2۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی، لالا لاجپت رائے، دیش بندھو گپتا۔

3۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسرت موہانی۔

4۔ اردو کا پہلا روزنامہ اخبار ''اردو گائیڈ'' تھا جو کلکتہ سے شائع ہوا۔

5۔ روزنامہ راشٹریہ سہارا، روزنامہ انقلاب، روزنامہ پرتاپ، روزنامہ ملاپ، روزنامہ اخبار مشرق۔

1.9 : فرہنگ

لفظ	معنی
من وعن	بالکل اسی طرح، جیسا ہے
ترسیل	بھیجنا، روانہ کرنا
معاون	اعانت کرنے والا، مددگار
صعوبت	سختی، تکلیف، مصیبت
مطبوعہ	چھپا ہوا
نقش اول	پہلی تحریر، مسودہ

تردید	ردکرنا، جواب دینا
تصنیف	کتاب لکھنا، مضمون بنانا
مہتمم	اہتمام کرنے والا، منتظم، مینیجر
موجزن	ٹھاٹھیں مارنے والا
رخشندہ	چمکیلا، روشن
رائے عامہ	پبلک کی رائے، عوام کا خیال
منسلک	شامل، نتھی کیا ہوا

1.10 : کتب برائے مطالعہ

1۔ ڈاکٹر محمد شاہد حسین، ''ابلاغیات'' ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، کوچہ پنڈت، لال کنواں دہلی، 2003

2۔ نادر علی خاں، ''اُردو صحافت کی تاریخ'' ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، یوپی، 1987

3۔ محمد افتخار کھوکھر، ''تاریخ صحافت'' مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1995

4۔ عبدالسلام خورشید، ''صحافت پاک و ہند میں''، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1963

5۔ غلام حیدر، ''اخبار کی کہانی'' ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی 1988

6۔ انور دہلوی، ''اُردو صحافت'' (مرتبہ) دہلی اردو اکادمی، دہلی، 1987

7۔ سید اقبال قادری، ''رہبر اخبار نویسی'' ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی 1089

سبق نمبر2: دنیامیں صحافت کا آغاز وارتقاء

ساخت

2.1 اغراض ومقاصد

2.2 تمہید

2.3 صحافت کی تعریف

2.4 پرنٹنگ پریس کا آغاز اورارتقاء

2.5 دنیامیں صحافت کا عہد بہ عہدارتقاء

2.6 آپ نے کیا سیکھا

2.7 اپنا امتحان خود لیجئے

2.8 سوالات کے جواب

2.9 فرہنگ

2.10 کتب برائے مطالعہ

2.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ کو سمجھانے کی کوشش کی جائے گی کہ

1۔صحافت کی تعریف کیا ہے؟

2۔دنیامیں پرنٹنگ پریس کا آغاز کیسے اور کب ہوا؟

3۔ دنیا میں صحافت کن مراحل سے گزری ہے

4۔ صحافت کا اصل مقصد کیا ہے؟

5۔ صحافت نے انسانی سماج کو کس طرح متاثر کیا ہے؟

2.2 تمہید

صحافت کا میدانِ عمل بہت وسیع ہے۔ اسے جرنلزم، پترکاریتا، صحیفہ نگاری یا اخبارنویسی کے نام سے بھی جانتے ہیں۔ صحافت ایک نہایت معزّز اور ذمّہ دارانہ پیشہ ہے۔ صحافت ایک فن ہے۔ صحافت کے لئے بیک وقت تکنیکی اور تخلیقی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ صحافت کی تاریخ سے واقفیت اس لئے ضروری ہے کہ ہم جان سکیں کہ قطرے سے گہر ہونے تک اس پہ کیا گزری ہے۔ جب دنیا میں چھاپہ خانہ کی ایجاد نہیں ہوئی تھی تب بھی اخبارات نکلتے تھے، جنھیں ہم قلمی اخبار کے نام سے جانتے ہیں۔ پھر چھاپہ خانہ کی ایجاد نے اخبارنویسی کو آسان بنادیا۔ مطبوعہ صحافت کے آغاز سے پہلے صحافت کا دائرہ بہت محدود تھا۔ لیکن مطبوعہ صحافت نے ہر خاص و عام تک پہنچ کر اس کا دائرہ وسیع کیا۔ ہندوستان میں مطبوعہ صحافت کا آغاز انگریزی زبان سے ہوا۔ لیکن اُردو صحافت کی تاریخ بھی بہت روشن ہے۔

صحافت کے آغاز نے دنیا میں مثبت تبدیلی لانے کا کام کیا۔ صحافت نے سماج کے ہر فرد کو اطلاع بہم پہنچائی۔ اطلاعاتی سماج کی تعمیر میں صحافت کا رول سب سے اہم رہا ہے۔ انسان کی بنیادی ضرورتوں میں روٹی، کپڑا اور مکان کے بعد سب سے زیادہ ضروری شئے ترسیل یعنی کمیونی کیشن ہے۔ انگریزی لفظ (Communication) کے معنی ترسیل یا ابلاغ کے ہوتے ہیں۔ صحافت کے بنیادی مقاصد میں ترسیل کو عام و سہل بنانا اور ترسیل کے دائرے کو وسیع تر کرنا بھی ہے۔ صحافت کا جمہوریت سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ جمہوریت میں عوام کو سب کچھ جاننے کا حق ہے۔ عوام کو جانکاری دینے کے لئے صحافت سے بہتر اور کارآمد کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔ دورِ بادشاہت میں عوام کو جانکاری دینا یا نہ دینا بادشاہ کی مرضی پر منحصر تھا لیکن جمہوریت میں یہ عوام کا حق ہے۔ اس لئے بہتر اور صحت مند جمہوریت کے لئے بہتر صحافتی نظام کی بہت ضرورت ہے۔ جمہوریت میں صحافت کی اہمیت اس قدر ہے کہ اسے جمہوریت کا چوتھا ستون کہتے ہیں۔ ہنگری کے

رہنے والے جوسف پلتزر کو صحافت کا باوا آدم (Father of Journalism) کہا جاتا ہے۔ جوسف پلتزر کے نام پر صحافت کا پُر وقار ایوارڈ دیا جاتا ہے۔ جوسف پلتزر 10 اپریل 1847 کو پیدا ہوا، اس نے ایک صحافی اور ایک بے باک پبلشر کی حیثیت سے ابتدائی زمانے میں ہی صحافت کے خدوخال نمایا کرنے کا کام کیا۔ جوسف پلتزر نے ہی صحافت کو بڑے طاقت ور تجارتی اداروں سے آزاد کرانے کا کام کیا۔ اس نے کہا اور کر کے دکھایا بھی کہ صحافت عام لوگوں کے لئے ہے اور بدعنوانی کے خلاف ہے۔ گویا صحافت نے اپنے ابتدائی ایام میں ہی اصول وضع کر لئے تھے کہ صحافت ہر قسم کی بدعنوانی کے خلاف ہے۔ اور سچ بات یہ ہے کہ آج بھی صحافت کو اسی نقش قدم پر چلنا ہے۔

صحافت کے بنیادی مقاصد میں ایک اہم مقصد ہے لوگوں تک اطلاعات بہم پہنچانا تا کہ لوگ خود اچھے برے کی تمیز کر سکیں۔ عوام حقائق کی روشنی میں خود فیصلہ کر سکے اس کے لئے اطلاعات کو ہونا بہت ضروری ہے۔ عوام تک درست اور بر وقت اطلاعات کا پہنچانا صحافت کا بنیادی کام ہے۔ صحافت کا مقصد براہ راست رائے عامہ کو متاثر کرنا نہیں ہے بلکہ صحافت عوام تک اطلاعات پہنچا دے اور عوام کو صحیح غلط کا فیصلہ کرنے دے۔ یہی صحافت کا بنیادی مقصد رہا ہے۔ صحافت کے لئے جو اصول بنائے گئے ان میں صداقت اور معروضیت کو سرفہرست رکھا گیا۔ صحافی کا کام حقائق کو من وعن پہنچا دینا ہے خواہ وہ ان حقائق کو پسند کرے یا ناپسند۔ صحافت میں ذاتی پسند یا ناپسند کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ یہاں بنیادی مقصد ہے حقائق کو عوام تک پہنچانا۔ صداقت اور درستگی کے ساتھ ساتھ بے باکی، آزاد خیالی، انسانیت، حق گوئی اور غیر جانب داری کو بھی صحافت کے اہم اصولوں میں شامل کیا گیا ہے۔

صحافت کے بنیادی عناصر میں ایک اہم عنصر سچائی اور حقیقت ہے۔ حقیقت اور صداقت کے بغیر صحافت کا تصور بے معنی ہے۔ دوسرا اہم عنصر عوام کی طرف داری ہے۔ صحافت حکومت کی طرفدار نہیں ہوگی بلکہ عوام کے تئیں ایماندار اور مخلص ہوگی۔ صحافت افواہ پر نہیں بلکہ حقیقت پر اپنی خبروں کی بنیاد رکھے گی۔ سچائی کو پرکھنا بھی صحافت کا ایک اہم عنصر ہے۔ جن اجزا سے صحافت کی دنیا کی تعمیر ہوتی ہے ان میں خبروں کی غیر جانب داری بھی ایک اہم جز ہے۔ اسی کے ساتھ صحافیوں کو اپنے ضمیر کی آواز پر حق و باطل کا امتیاز کرنا بھی صحافت کا ایک اہم جز ہے۔

2.3 صحافت کی تعریف

لغت کے اعتبار سے 'صحافت' عربی لفظ ہے جس کے معنی نامہ نگاری یا اخبار نویسی کے ہیں۔ خبروں کو جمع کرنے، ان کی تنظیم اور تقسیم کو صحافت کہتے ہیں۔ زمانہ قدیم سے انسان خبروں کا بھوکا رہا ہے۔ روٹی، کپڑا، مکان کے ساتھ ترسیل بھی انسان کی بنیادی ضرورت رہی ہے۔ انسان اپنی عقل کا استعمال کر کے جو کچھ جان لیتا ہے اس کے علاوہ بھی بہت کچھ جاننے کی خواہش رکھتا ہے۔ وہ ہر واقعہ، ہر حادثہ کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔ وہ مختلف مقامات اور مختلف لوگوں کے بارے میں جانکاری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہر واقعے اور ہر حادثے کے پیچھے کی کہانی معلوم کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہر حادثے کا پس منظر جاننا چاہتا ہے۔ انسان کے اسی بھوک کو مٹانے کا کام صحافت نے کیا ہے۔ انسان کی یہی خواہش صحافت کی ضرورت کو بیان کرنے کے لئے کافی ہے۔

2.4 : پرنٹنگ پریس کا آغاز وارتقاء

نٹنگ پریس کی ایجاد سے پہلے صحافت اور اخبار نویسی کا تصور بہت محدود تھا۔ قلمی اخبارات ایک محدود اور مخصوص حلقے تک ہی پہنچ سکتے تھے۔ اس طرح عوامی ترسیل کا تصور بہت ناقص اور غیر متاثر کن تھا۔ قلمی اخبارات تیار کرنے میں کافی وقت لگتا تھا۔ لیکن جب چھاپہ خانہ یعنی پرنٹنگ پریس کی ایجاد ہوئی تو صحافت کی دنیا میں ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ پرنٹنگ پریس کی وجہ سے کتابوں کی چھپائی بھی آسان ہوئی لیکن سب سے زیادہ فائدہ اخبار نویسی کو ہوا۔ پہلے کاغذ کی ایجاد نے لکھنے پڑھنے کی راہ کو آسان بنایا اور پھر پرنٹنگ پریس نے طباعت کو آسان بنا کر عام لوگوں تک تحریر کو پہنچانے کا کام کیا۔ اب تک کی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ سو سال قبل مسیح چین میں کاغذ بنایا گیا تھا۔ چینیوں نے سب سے پہلے کاغذ کا استعمال شروع کیا۔ حضرت عیسیٰ سے سو سال پہلے ہی چینی کاغذ بنانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ لیکن سن ۱۰۵ء میں ہان خاندان کے بادشاہ حوتی کے زمانے میں تائی لون نام کے شخص نے سب سے پہلے کاغذ

بنانے کا کارخانہ قائم کیا۔ کچھ خاص قسم کے درختوں کے گودے سے یہ کاغذ بنایا جاتا تھا۔ ظاہر سی بات ہے کہ آج دنیا میں جس اعلیٰ قسم کے کاغذ مل رہے ہیں، اس زمانے میں نہیں تھے۔ وہ کاغذ بنانے کا ابتدائی زمانہ تھا۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اب انسان کے لئے کسی بات، کسی جانکاری یا خیال کو لکھ کر رکھ لینا، یا کسی تک پہنچا دینا پہلے کے مقابلے کافی آسان ہو گیا تھا۔ کاغذ کی ایجاد کے بعد چین میں پرنٹنگ کے کام میں بھی کئی ایجادات ہوئیں۔ چینیوں کو ایک خاص قسم کا پرنٹنگ مشین بنانے میں کسی حد تک کامیابی بھی ملی لیکن پوری طرح پرنٹنگ پریس قائم کرنے کا سہرا جرمنی کے رہنے والے سونار جوہانس گٹن برگ کے سر ہے۔ جوہانس گٹن برگ نے دراصل سن 1440ء میں اس وقت پرنٹنگ پریس بنانے میں کامیابی حاصل کر لی تھی جب وہ فرانس میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا تھا۔ لیکن جب وہ جرمنی واپس آیا تب 1450ء میں وہ پرنٹنگ مشین بنانے میں کامیاب ہوا جس کا استعمال بڑے پیمانے پر یعنی کاروباری سطح پر کیا جا سکے۔ یہ انسانی تاریخ کا ایک بڑا واقعہ تھا۔ اس مشین کی ایجاد کے بعد چھپائی کی دنیا میں ایک بڑا انقلاب آیا اور صحافت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرنے میں مدد ملی۔

2.5: دنیا میں صحافت کا عہد بہ عہد ارتقاء

اس بات کو لے کر ماہرین میں اختلاف رہا ہے کہ دنیا کا پہلا مطبوعہ اخبار کون سا ہے۔ لیکن زیادہ تر ماہرین کا اتفاق ہے کہ جس طرح پہلا پرنٹنگ پریس جرمنی میں قائم ہوا اسی طرح دنیا کا پہلا مطبوعہ اخبار بھی جرمنی سے شائع ہوا۔ پہلے اخبار کا نام ''دی ریلیشن'' تھا جس کے پبلشر مسٹر جان کارلوس تھے۔ مسٹر جان کارلوس 1575 میں پیدا ہوئے اور سن 1634 میں ان کا انتقال ہوا۔ مسٹر جان کارلوس نے سن 1605 میں پہلا اخبار ''دی ریلیشن'' شائع کیا۔ جہاں تک انگریزی زبان میں شائع ہونے والے پہلے اخبار کی بات ہے تو سن 1665 میں لندن سے ''آکسفورڈ گزٹ'' کی اشاعت سے انگریزی میں مطبوعہ صحافت کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ تمام ابتدائی اخبارات ہفتہ وار تھے جو ایک شیٹ پر شائع ہوتے تھے جنھیں موڑ کر چار صفحات کا اخبار بنا لیا جاتا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ قلمی اخبارات کے مقابلے میں یہ چھپے ہوئے اخبارات زیادہ لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچنے لگے۔ ابتدا میں اخبار کے لیئے گزٹ (Gazzette) کا لفظ استعمال ہوتا

تھا۔ سترہویں صدی کی آخری دہائیوں میں اخبار کے لئے گزٹ کے بجائے انگریزی لفظ نیوز پیپر (News Paper) کا استعمال شروع ہوا۔ جرمنی میں مطبوعہ صحافت کے آغاز کے بعد ہالینڈ اور خصوصی طور پر ہالینڈ کا شہر ایمسٹرڈم اخبار نویسی کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ اس زمانے میں ہالینڈ برطانیہ سے زیادہ طاقت ور تھا اور شہر ایمسٹرڈم ایک اہم تجارتی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ ایمسٹرڈم سے کئی اہم اخبارات ڈچ زبان میں شائع ہوئے۔ ''کرانٹے ایوٹ اٹالین'' ڈچ زبان میں شائع ہونے والا پہلا اخبار تھا۔ سن 1631 میں فرانس سے پہلا اخبار ''لاگزٹ'' شائع ہوا۔ پرتگال کے شہر لسبن میں 1641 میں ''اے گزٹ دارسٹاریکو'' نام کا پہلا اخبار شائع ہوا تھا۔ جبکہ اسپین میں پہلے اخبار کی اشاعت 1661 میں ہوئی۔ ''دی ڈیلی کورینٹ'' انگریزی زبان کا پہلا کامیاب اخبار تصور کیا جاتا ہے جو سن 1702 میں شائع ہوا اور سن 1735 تک اس کی اشاعت ہوتی رہی۔ امریکا میں سن 1704 سے باقائدہ صحافت کا آغاز ہوتا ہے۔ ''دی بوسٹن نیوز لیٹر'' امریکا سے شائع ہونے والا پہلا کامیاب اخبار تھا۔ جس نے پڑھنے والوں کو متاثر کیا اور یہ تاثر بھی قائم ہوا کہ مستقبل میں اخباروں سے سماجی تبدیلی بھی لائی جاسکے گی۔

نصف سترہویں صدی تک صحافت کے اصول وضوابط بہت واضح نہیں تھے۔ لیکن اب صحافت کا دائرہ بھی بڑھ رہا تھا اور سماج پر اس کے اثرات بھی نمایاں ہو رہے تھے۔ اس لئے الگ الگ ملکوں میں حکومتیں اب صحافت کے لئے اصول وضوابط بنانے کے لئے بے تاب تھیں۔ سن 1800 میں صرف امریکا میں 234 اخبارات شائع ہو رہے تھے۔ اسی طرح دوسرے ممالک میں بھی صحافت کا دائرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہونی چاہئے کہ اس وقت صحافت کے نام پر صرف مطبوعہ صحافت کا وجود تھا۔ جسے آج ہم پرنٹ میڈیا کے نام سے جانتے ہیں۔ اس وقت الکٹرانک میڈیا اور سائبر میڈیا کا کوئی تصور نہیں تھا۔ الکٹرانک میڈیا بیسویں صدی کی اور سائبر میڈیا اکیسویں صدی کی دین ہے۔ حالانکہ بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں سائبر میڈیا ایک شکل اختیار کرنے لگی تھی لیکن آن لائن صحافت کا تصور اکیسویں صدی کا تصور ہے۔ جبکہ فلم، ریڈیو اور ٹیلی ویژن بیسویں صدی کی ایجاد ہے۔ حالانکہ ہندستان میں 1896 میں پہلی خاموش فلم بن چکی تھی لیکن فلموں کا حقیقی آغاز بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے مانا جاتا ہے۔ اسی طرح ریڈیو اور ٹیلی ویژن بھی بیسویں صدی میں ہی صحافت کی ایک نئی تاریخ لکھنے میں کامیاب ہو سکے۔ ریڈیو کے وجود میں آنے سے پہلے کئی صدیوں تک صحافت سے مراد اخبار نویسی ہی تھا۔ اخبار ہی عوامی ترسیل کا ایک سب سے موثر ذریعہ

رہا۔لیکن اخبارات جب طاقتور ہونے لگے تو حکومتوں کی دقت بڑھنے لگی۔اب بحث یہ شروع ہوئی کہ اخبارات آزادانہ طور پر خبروں کا انتخاب کرسکیں گے اور حکومت کی تنقید کرسکیں گے یا نہیں؟ یہ ایک بہت اہم سوال تھا۔صحافت کی سات سو سالہ تاریخ میں کئی ایسے مقام آئے جب حکومتوں نے سخت قوانین بنا کر اخبارات کی آزادی کو ختم کرنے یا کم کرنے کی کوشش کی۔لیکن صحافت نے بھی حکومتوں پر پلٹ وار کئے۔صحافت نے کوشش کی کہ وہ عوام کی ترجمان بنے۔حکومتوں نے کوشش کی کہ صحافت بے لگام نہ ہونے پائے۔عوامی بے داری سے بھی کئی بار حکومتوں کو دقت ہونے لگتی ہے اور صحافت ابتدا سے ہی عوامی بے داری پھیلانے کا کام کرتے رہے ہیں۔یہیں اس حقیقت کو بھی سمجھ لینا چاہئے اور تسلیم کرنا چاہئے کہ صحافت کی دنیا میں ہمیشہ سے یہ ہوتا آیا ہے کہ کچھ اخبارات یا کچھ صحافی حکومت کے طرفدار بھی ہوتے ہیں۔ حکومت سے کچھ فائدہ حاصل کرنے کے لئے یا پھر حکومت کے خوف سے کچھ اخبارات اپنی سماجی اور عوامی ذمہ داری نبھانے کے بجائے حکومت کی طرف داری کرتے رہے ہیں۔یہ الگ بات ہے کہ ایسے اخبارات اپنی عوامی مقبولیت رفتہ رفتہ کھو دیتے ہیں۔صحافت، جمہوریت اور ٹیکنالوجی کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔جمہوری نظام حکومت میں ہی صحافت کو بھرپور فروغ حاصل ہوتا ہے۔جبکہ ٹیکنالوجی کے فروغ سے صحافت کو طاقت ملتی ہے۔

جب ہم صحافت کے تعلق سے ٹیکنالوجی کی بات کرتے ہیں تو سب سے پہلے پرنٹنگ پریس کی ایجاد اور اس کی ترقی پر غور کرتے ہیں۔قدیم روم، چین، جرمنی، فرانس، انگلینڈ، پرتگال، اسپین اور ہالینڈ کے علاوہ زمانہ قدیم میں میکسیکو شہر کا نام بھی پرنٹنگ پریس اور صحافت کے حوالے سے لیا جاتا ہے۔سن 1530 میں میکسیکو شہر میں پہلا پرنٹنگ پریس قائم ہوا تھا۔جس نے سن 1541 میں ''نیوز بک'' شائع کیا۔سن 1665 اس لئے صحافت کی تاریخ میں اہمیت کا حامل ہے کہ اس سال ایک ایسا اخبار شائع ہوا جو تمام نشیب و فراز دیکھتا ہوا لگاتار جاری رہا۔ یہ اخبار سب سے پہلے 07 نومبر 1665 کو'' آکسفورڈ گزٹ'' کے نام سے شائع ہوا۔ بعد میں یہی اخبار ''لندن گزٹ'' کے نام سے جاری رہا۔24 اپریل 1704 کو ''بوسٹن نیوز لیٹر'' کی اشاعت نے اخبار نویسی کی دنیا میں ایک الگ مقام حاصل کیا۔اس اخبار کے سالانہ خریدار بنائے جاتے تھے۔یہ اخبار یعنی ''بوسٹن نیوز لیٹر'' ہر عام قاری تک نہیں پہنچتا تھا۔اس کے پبلشر

اور مدیران کی خواہش تھی کہ یہ اخبار کچھ خاص لوگوں تک ہی پہنچے۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سن 1800 سے پہلے گلیوں میں، چوراہوں پر اخبار فروخت کرنے کا رواج نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پرنٹنگ پریس آنے کے باوجود اخبارات اتنی بڑی تعداد میں چھاپنا ممکن نہیں تھا کہ شہر کے ہر آدمی تک اخبار پہنچایا جا سکے۔ رفتہ رفتہ جب پرنٹنگ پریس کی ٹیکنالوجی میں ترقی ہوتی گئی تو اخبار کی زیادہ سے زیادہ کاپیاں چھاپنا ممکن ہو سکا۔

امریکی صحافت کی تاریخ میں ''دی بوسٹن گزٹ'' کو سب سے متاثر کن اخبار تصور کیا جاتا ہے۔ 19 دسمبر 1719 کو پہلی بار یہ اخبار شائع ہوا۔ ''دی بوسٹن گزٹ'' کے پہلے پرنٹر اور پبلشر مسٹر جیمس فرنکلن تھے۔ جیمس فرینکلن نے 1732 میں ایک اور اخبار ''روڈ آئی لینڈ گزٹ'' بھی نکالنا شروع کیا۔ اس نے انگریزی زبان کی صحافت کو کئی نئے راستے دکھائے۔ جیمس فرینکلن نے صحافت میں نت نئے تجربات کئے۔ اس وقت زیادہ تر اخبارات ہفتہ وار تھے۔ کئی صحافی ایسے تھے جو چاہتے تھے کہ روزنامہ اخبارات شائع کئے جائیں۔ سن 1783 میں امریکا سے پہلا روزنامہ اخبار شائع ہوا جس کا نام ''پن سل وینیا ایوننگ پوسٹ'' تھا۔ ''دی نیویارک مارننگ پوسٹ'' اور ''دی نیویارک سن'' دو ایسے اخبارات تھے جنھوں نے عام لوگوں تک پہنچ بنانے کی شعوری کوشش کی۔ یہ اخبار 'ایک پینی' یعنی اس زمانے کا ایک پیسہ میں فروخت کیا جاتا تھا۔ پہلے جہاں اخبارات کے لئے صرف سالانہ چندہ ہی اخبار حاصل کرنے کا واحد ذریعہ تھا وہیں اب اور بھی ذرائع پیدا کئے گئے۔ اسی اخبار نے سب سے پہلے گھر گھر اخبار پہنچانے کا کام شروع کیا۔

سن 1860 تک معاملہ یہ تھا کہ جو خبریں امریکی اخبارات میں شائع ہوتی تھیں وہ زمانے بعد یوروپی اخبارات تک پہنچ پاتی تھیں۔ ادھر یوروپ کی خبریں بھی امریکی اخبارات تک بہت دیر سے پہنچتی تھیں۔ اس درمیان ٹیلیگراف کی سہولت کو عام کرنے کے لئے بہت محنت کی جا رہی تھی۔ آخر کار سن 1866 میں یوروپ اور امریکا کے درمیان ٹیلیگراف کی خدمات بھرپور ڈھنگ سے کام کرنے لگیں۔ ٹرانس اٹلانٹک کیبل کے ذریعے یوروپ اور امریکا کے اخبارات ایک دوسرے سے جڑ سکے۔ اخبارات میں فوٹو شائع کرنے کا سلسلہ بھی امریکا سے شروع ہوا۔ میتھو براڈے کو

فوٹو جرنلزم کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔انھوں نے سن 1861 میں پہلی بار امریکی خانہ جنگی کی تصویریں شائع کرنے کا کام کیا۔اسی زمانے میں مسٹر تھامس نوسٹ نے کارٹون بنانے کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ کارٹون اس وقت کے کئی امریکی اخبارات مین شائع ہوتے تھے۔سن 1876 میں جب گراہم بیل نے ٹیلی فون ایجاد کیا تو اس کے دس سال بعد ''دی نیو یارک ٹائمس'' نے پہلا ٹیلی فون نمبر حاصل کیا۔کسی اخبار کے دفتر میں جو پہلا فون لگا اس کا نمبر تھا John 470۔نیو یارک ٹائمس ہی وہ پہلا اخبار تھا جس نے سن 1882 میں بجلی کا کنکشن حاصل کیا۔سن 1883 میں جوسف پلٹزر صحافت کے منظر نامے پر نمودار ہوئے اور صحافت کی دنیا میں کئی انقلاب برپا کرنے میں کامیاب رہے۔ جوسف پلتزر نے کئی کامیاب تجربات کئے جس کے سبب اس زمانے میں اخبار کا سرکولیشن پندرہ ہزار کاپی سے بڑھ کر چھ لاکھ کاپی تک پہنچ گیا۔بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ صحافت کی دنیا میں دو اہم واقعات رونما ہوئے۔ پہلا واقعہ کسی نیوز ایجنسی کا قیام تھا اور دوسرا اہم واقعہ ریڈیو کی ایجاد تھا۔ پہلے سبھی اخبارات اپنے اپنے ذرائع سے خبریں جمع کرتے تھے۔جس کے لئے انھیں ہر شہر اور اہم مقامات پہ اپنے نمائندے رکھنے پڑتے تھے۔سن 1907 میں یونائیٹڈ پریس ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا۔اس نیوز ایجنسی سے ابتدا میں تین اہم اخبارات کو خبریں فراہم کی جانے لگیں۔سن 1912 میں کیلیفورنیا میں ریڈیو کا آغاز ہوا۔اب تک صحافت کے نام پر ہمارے پاس اخبارات تھے لیکن اب صحافت کی دنیا میں ریڈیو ایک انقلاب برپا کرنے جا رہا تھا۔ یہاں سے ''براڈ کاسٹنگ جرنلزم'' کا آغاز ہوتا ہے۔جس کے دوررس نتائج صحافت کی دنیا میں دیکھنے کو ملے۔سن 1920 میں پٹس برگ میں پہلا باقاعدہ ریڈیو اسٹیشن شروع ہوا۔1920 کے امریکی صدارتی انتخابات کی خبریں ریڈیو سے نشر کی گئیں۔ 18 اکتوبر 1922 سے بی بی سی نے اپنی نشریات کا آغاز کیا۔اس طرح صحافت اب ایک نئے روپ میں دنیا کے سامنے آئی۔سن 1930 میں پہلی بار ریڈیو پر ریکارڈنگ کی سہولت کو استعمال کیا گیا۔اب تک لائیو براڈ کاسٹ کے ذریعے ہی خبریں پہنچائی جاتی تھیں۔لیکن اب یہ ممکن ہو سکا کہ خبروں کو پہلے ریکارڈ کر لیا جائے اور بعد میں جب ضرورت ہو اسے نشر کیا جائے۔بیسویں صدی کی تیسری دہائی تک ریڈیو نے کافی

ترقی کر لی تھی۔اسی درمیان آواز کے ساتھ تصویریں بھی ایک دوسرے مقام تک بھیجنے کی کوششیں جاری تھیں۔یہ تجربات ٹیلی ویژن کی بنیاد رکھنے کے لئے ضروری اقدام کے طور پر دیکھے جاتے ہیں۔دوسری عالمی جنگ کے زمانے میں خبروں کے لئے ریڈیو پر کافی انحصار بڑھ چکا تھا۔اب صحافت صرف پرنٹ میڈیا تک محدود نہیں تھا بلکہ وہ سمعی اور بصری میڈیا تک اپنا دامن پھیلا چکا تھا۔

2.6 : آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں آپ نے سیکھا کہ

1۔صحافت کسے کہتے ہیں یعنی صحافت کی تعریف کیا ہے۔

2۔دنیا میں صحافت نے کیا تبدیلی پیدا کی۔

3۔کسی بھی مہذب سماج کے لئے صحافت کیوں ضروری ہے۔

4۔اردو صحافت کا آغاز کب اور کیسے ہوتا ہے۔

5۔دنیا میں سب سے پہلے کس زبان میں صحافت نے ترقی کی۔

2.7 : اپنا امتحان خود لیجئے

1۔صحافت کا سب سے اہم مقصد کیا ہے؟

2۔تین الگ الگ زبانوں کے تین اہم صحافیوں کے نام بتائیں۔

3۔انگریزی زبان میں شائع ہونے والے پانچ اہم اخبارات کے نام بتائیں۔

4۔اردو صحافت کا آغاز کب اور کہاں ہوا؟

5۔ ہندستان سے شائع ہونے والے چار اہم اردو اور ہندی اخباروں کے نام لکھیں۔

6۔ دنیا میں سب سے پہلے کب اور کس ملک میں کاغذ بنایا گیا؟

2.8 :سوالات کے جواب

1۔ صحافت کا سب سے اہم مقصد ہے عوام تک اطلاعات وخبر کا پہنچانا۔

2۔ (۱) اردو۔۔۔مولانا ابوالکلام آزاد (۲) ہندی۔۔۔ادین شرما (۳) انگریزی۔۔۔کلدیپ نیر۔

3۔ دی ٹائیمس آف انڈیا، دی ہندو، ہندستان ٹائیمس، انڈین ایکسپریس، دی ٹیلیگراف۔

4۔ اردو صحافت کا آغاز سن 1822 میں کلکتہ سے ہوا۔ پہلا اردو اخبار ''جام جہاں نما'' تھا۔

5۔ روزنامہ راشٹریہ سہارا، روزنامہ انقلاب، روزنامہ پرتاپ، روزنامہ ملاپ، روزنامہ اخبار مشرق۔ ہندی اخبارات۔ نو بھارت ٹائیمس، دینک جاگرن، ہندستان، پنجاب کیسری، امر اجالا۔

6۔ سب سے پہلے چین میں کاغذ بنایا گیا۔

2.9 : فرہنگ

لفظ	معنی
طباعت	چھپائی
ایجاد	کھوج، کوئی نئی چیز بنانا
جلاوطن	وطن سے نکال دیا جانا
وسیع	بڑا، پھیلا ہوا
مہذب	تہذیب یافتہ

ہیئت	بناوٹ،شکل،حالت
فروغ	ترقی
نشیب وفراز	اُونچ نیچ،گرناچڑھنا
پذیرائی	قبولیت ، منظوری
سعی	کوشش
نصف	آدھا
مراکز	مرکز کی جمع
ثمر	پھل،میوہ،فائدہ،پیداوار،حاصل
ارض وسماں	زمین وآسمان

2.10 : کتب برائے مطالعہ

1۔ ڈاکٹرمحمدشاہدحسین،''ابلاغیات'' ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،کوچہ پنڈت،لال کنواں دہلی،2003

2۔ نادرعلی خاں، ''اُردوصحافت کی تاریخ''ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،یوپی،1987

3۔ محمدافتخارکھوکھر،''تاریخ صحافت'' مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،1995

4۔ عبدالسلام خورشید، ''صحافت پاک وہندمیں''مجلس ترقی ادب،لاہور، 1963

5۔ غلام حیدر،''اخبارکی کہانی''ترقی اُردوبیورو،نئی دہلی 1988

6۔ انوردہلوی،''اُردوصحافت''(مرتبہ)دہلی اردواکادمی،دہلی،1987

7۔ سیداقبال قادری،''رہبراخبارنویسی''ترقی اُردوبیورو،نئی دہلی 1989

اکائی نمبر3: پرنٹنگ کے ابتدائی آلات اور بعد کی ترقی

ساخت

3.1 اغراض ومقاصد

3.2 تمہید

3.3 پرنٹنگ پریس کا پس منظر

3.4 ابتدائی پرنٹنگ آلات

3.5 پرنٹنگ پریس کی عہد بہ عہد ترقی

3.6 آپ نے کیا سیکھا

3.7 اپنا امتحان خود لیجئے

3.8 سوالات کے جواب

3.9 فرہنگ

3.10 کتب برائے مطالعہ

3.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ کو سمجھانے کی کوشش کی جائے گی کہ

1۔ پرنٹنگ پریس کے وجود میں آنے سے پہلے کا منظر نامہ کیا تھا

2۔ پرنٹنگ پریس کی ایجاد کب، کہاں اور کیسے ہوئی

3۔ پرنٹنگ کے ابتدائی آلات کیا تھے

4۔ پرنٹنگ پریس نے عہد بہ عہد کس طرح ترقی کی

5۔ پرنٹنگ پریس کے وجود میں آنے سے علم کا فروغ کیسے ہوا

3.2 تمہید

انسان نے ہمیشہ کچھ نیا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ انسانی سماج جہاں ایک ہزار برس پہلے تھا وہیں ٹھہر جاتا۔ لیکن انسان کی شب و روز کی محنت اور غور و فکر نے اسے ہمیشہ کچھ نیا کرنے کی ترغیب دی۔ انسانی ذہن نے جو اہم ایجادات کیں ان میں پرنٹنگ پریس (چھاپہ خانہ) کی ایجاد ایک انقلابی قدم تھا۔ پرنٹنگ پریس کی ایجاد نے دنیا میں علم کی اشاعت اور ترویج و ترقی کو آسان بنا دیا۔ پرنٹنگ پریس کی ترقی کی تاریخ کئی صدیوں پر محیط ہے۔ پہلے چین میں، پھر جرمنی اور یوروپ کے دوسرے ممالک میں پرنٹنگ پریس کا قیام عمل میں آیا۔ ہندوستان میں انگریز اور پرتگالی مشنریوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے کتابیں اور اخبارات چھاپنے کے لئے پرنٹنگ پریس قائم کرنے پر زور دیا۔ دنیا کے جن حصوں میں پہلے پہل پرنٹنگ کا کام شروع ہوا ان میں ایک اہم نام اٹلی (قدیم روم) کے تاریخی شہر وینس (Venice) کا ذکر بھی ملتا ہے۔ یہ وہی خوبصورت شہر وینس ہے جس کا ذکر عظیم ڈراما نگار ولیم شیکسپیئر نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''مرچنٹ آف وینس'' میں کیا ہے۔ پندرہویں صدی کے آخر میں وینس پرنٹنگ کا ایک اہم مرکز بن چکا تھا۔ 1497 میں یہاں کے پرنٹنگ پریس سے ارسطو کی تحریروں کی اشاعت ہوئی۔

ابتدا میں جو آلات تھے وہ زیادہ تر ہاتھ سے چلائے جاتے تھے۔ ان سے ایک گھنٹے میں بہ مشکل سو کاپیوں کی چھپائی ہو سکتی تھی لیکن جب بھاپ کی انجن کی مدد لی جانے لگی تو ذرا ترقی یافتہ مشینوں سے ایک گھنٹے میں ایک ہزار کاپیاں چھاپنا بھی ممکن ہوا۔ اس طرح چین اور جرمنی سے نکل کر پرتگال، اٹلی اور اسپین ہوتے ہوئے جب طباعت کا فن انگلینڈ پہنچا تو اسے خوب ترقی حاصل ہوئی۔ بدھ مت سے متعلق کتاب ''دی ڈائمنڈ سوتر'' کو پہلی مطبوعہ کتاب کہا جاتا ہے جو

چین میں دستیاب ہوئی۔ یہ کتاب سن 868 عیسوی میں اس وقت چھپی جب چین میں تھانگ خاندان کی حکومت تھی۔

3.3 پرنٹنگ پریس کا پس منظر

علم کے فروغ اور اشاعت کے لئے کتابوں، رسالوں اور اخبارات کی ضرورت تھی۔ زمانہ قدیم میں علم تو تھا مگر علم کی اشاعت کا بہتر نظم نہیں تھا۔ علم ایک جگہ سے دوسری جگہ کیسے پہنچے؟ یہ ایک بڑا سوال تھا۔ علم سینہ بہ سینہ پہنچتا تھا۔ علم کے حصول کے لئے لوگ دور دراز کا سفر کرتے تھے۔ مشکل اور دشوار سفر کے بعد کوئی اہم کتاب ہاتھ لگتی تھی۔ مثال کے طور پر اس زمانے میں مصر میں کسی کو یہ خبر ہوئی کہ فلسفہ وجودی پر ایک اچھی کتاب بغداد میں ہے تو وہ قاہرہ سے بغداد تک سفر کرتا تھا۔ اس زمانے میں پیدل اور اونٹ کا سفر مہینوں بعد مسافر کو منزل مقصود تک پہنچاتے تھے۔ تب کہیں جا کر وہ شخص اپنی من پسند کتاب دیکھ اور پڑھ سکتا تھا۔ چونکہ پرنٹنگ پریس نہ ہونے کے سبب کتاب کی ایک یا دو قلمی نسخے ہی دستیاب ہوتے تھے اس لئے ہر شخص کے لئے وہ کتاب میسر نہیں تھی۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ پرنٹنگ پریس کی ایجاد سے پہلے علم کا فروغ نہایت مشکل سے ہوسکتا تھا۔

اگرچہ چینیوں نے پندرہویں صدی سے پہلے ہی چھپائی کی تکنیک سے واقفیت حاصل کر لی تھی۔ لیکن اسے بھرپور ترقی یورپ میں ملی۔ پندرہویں صدی کے نصف تک یورپ میں چھپائی کا اچھا خاصہ کام ہونے لگا تھا۔ چھپائی، چھاپہ خانہ اور پرنٹنگ پریس جیسی اصطلاحیں ترسیل کی دنیا میں خوب استعمال ہوئیں۔ چھاپہ خانہ کے وجود میں آنے سے اخبار نویسی کی دنیا میں انقلاب آیا۔ پرنٹنگ پریس کی تکنیک میں جس رفتار سے ترقی ہوئی اسی رفتار سے صحافت نے بھی ترقی کی۔

3.4: ابتدائی پرنٹنگ آلات

ابتدا میں چھاپہ خانہ موجودہ پرنٹنگ پریس سے بالکل مختلف تھے۔ بہت زیادہ بھاری اور وزنی ہونے کے سبب ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا لگ بھگ ناممکن تھا۔ پھر اس میں جو روشنائی استعمال کیا جاتا تھا اس کی کھپت بہت

زیادہ تھی۔یعنی آج اگر ایک لیٹر روشنائی سے ایک ہزار صفحات کی چھپائی ہوسکتی ہے تو ابتدا میں ایک لیٹر روشنائی سے محض پچاس صفحات کی چھپائی ہی ممکن تھا۔چین میں شروع شروع میں جو چھاپہ خانہ بنائے گئے ان میں بہت زیادہ صفحات کی چھپائی ممکن نہیں تھی۔ ہاں یوروپ میں پرنٹنگ پریس کی تکنیک میں خوب اضافہ ہوا۔لیکن اتنی بات تو تمام ماہرین قبول کرتے ہیں کہ چھاپہ خانہ کی ایجاد کا سہرا چین کے سر ہے۔ڈاکٹر نادر علی خان اپنی مشہور کتاب ''ہندوستانی پریس'' میں لکھتے ہیں:

> ''فن طباعت کا مولد ومنشاء غیر اختلافی ہے،اس کی ایجاد کا سہرا چینیوں کے سر ہے۔کیوں کہ وہاں بدھ مت کی ترویج کے لئے مذہبی ادب اور تصاویر کی اشاعت کی ضرورت اس کا سبب بنی۔چنانچہ مہاتما بدھ کی تصاویر چھاپنے کے لئے ۶۵۰ء میں بلاک کی چھپائی کا استعمال کیا گیا اور برٹش میوزیم میں قدیم ترین چینی طباعت (۷۷۰ء) کا نمونہ محفوظ ہے۔''

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امریکہ میں چھپائی کا فن ہندوستان کے بعد پہنچا۔چین، جرمنی، ہالینڈ، پرتگال، اٹلی، فرانس اور انگلینڈ کے بعد طباعت کے فن نے ہندوستان میں ترقی کی۔اور پھر یہ فن امریکا پہنچا۔نادر علی خان لکھتے ہیں۔''یورپ کے اکثر ممالک میں فن طباعت جرمنوں کی وساطت سے پہنچا۔لیکن یہ انگلستان ہی کی انفرادیت اور امتیاز ہے کہ جہاں اس کے نونہال ولیم کاکسٹن نے اپنے ملک میں اس عظیم الشان فن کی بنیاد ڈالی۔اس کے علاوہ یورپ کے ہر ایک ملک میں لاطینی زبان سے طباعت کا آغاز ہوا۔لیکن انگلستان واحد ملک تھا جہاں قومی زبان میں کتابیں طبع ہوکر شائع ہوئیں۔مزید براں کاکسٹن کے تیار کردہ ٹائپ کے حروف منفرد حیثیت کے مالک تھے یعنی ان کا انداز گاتھک تھا نہ کہ رومن۔'' اس وقت تک دنیا بھر میں پرنٹنگ پریس کی مشینیں ہاتھ سے چلائی جاتی ہیں۔ہاتھ سے چلائی جانے والی مشینوں سے ایک گھنٹے میں دوسو کاپیاں چھاپی جاسکتی تھیں۔جب بھاپ کے انجن کی ایجاد ہوئی تو پرنٹنگ پریس کی مشینیں بھی سلنڈر مشین میں ڈھل کر بھاپ کی طاقت سے چلنے لگیں۔اب یہ ممکن ہوسکا کہ ایک گھنٹے میں ایک ہزار کاپیاں تک چھاپی جاسکیں۔

جہاں تک ہندوستان میں پرنٹنگ پریس کی تاریخ کا سوال ہے تو اس کی ابتدا میں پرتگالی مشنریوں کا بڑا ہاتھ

ہے۔ جان گونسالوس کی مدد سے سن 1578 میں ہندوستان میں کسی ہندوستانی زبان میں پہلا پریس قائم ہوا۔ شروع شروع میں جو انگریز مشنری ہندوستان وارد ہوئے وہ مذہبی جوش سے سرشار تھے، وہ اپنے مذہب کی ترویج و اشاعت کے لئے پیش پیش تھے۔ وہ نصابی کتابیں، لغات اور کتابچے تیار کرنا چاہتے تھے تاکہ ہندوستانی عوام تک ان کی باتیں پہنچ سکیں اور وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کر سکیں۔ سن 1821 میں بڑی کوشش کر کے بمبئی سے ایک پریس گوا منگایا گیا جس سے ہفتہ وار اخبار ''گزٹ دی گوآ'' جاری کیا گیا۔ آج جس زبان کو ہم ہندی کہتے ہیں اس کی اسکرپٹ دیوناگری ہے۔ اس دیوناگری میں سب سے پہلے طباعت کا آغاز 1853 میں ہوا۔ مشنری یہ بھی چاہتے تھے کہ ہندوستان کی مقامی زبانوں میں بھی اخبارات و کتابیں شائع ہوں۔ تاکہ عام آدمی تک وہ پیغام آسانی سے پہنچ سکے جو پیغام مشنری پہنچانا چاہتے تھے۔ اسی لئے وہ بار بار اپنی حکومت کو خط لکھ رہے تھے کہ اچھی قسم کے چھاپہ خانہ قائم کئے جائیں۔ اس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ہندوستانی زبانوں میں چھپائی کا کام شروع ہو سکا۔ نادر علی خاں اپنی مشہور کتاب ''ہندوستانی پریس'' میں لکھتے ہیں:

> ''اس کے بعد مالاباری ڈھالا خانہ بھی قائم ہو گیا اور ۱۷۱۴ء میں پہلی تامل کتاب ''اناجیل اربعہ'' اور ''اسوہ حوارین'' طبع ہو کر شائع ہوئی۔ اور ۱۷۱۶ء میں ایک کاغذ سازی کا کارخانہ بھی وجود میں آ گیا۔ اگرچہ ڈنمارک کی مشنریوں نے مراٹھی زبان کی طباعت میں براہ راست کوئی حصہ نہیں لیا لیکن ایک ڈنمارک کی مشنری فریڈرک شوارٹز، سرفوجی بھونسلے شاہ تنجور کا سرپرست، اتالیق اور رہنما بن گیا۔ اس نے اس روشن خیال سردار کو تنجور میں مطبع قائم کرنے پر آمادہ کیا جس میں کچھ سنسکرت اور مراٹھی کی کتابیں طبع ہوئیں''
> (ہندوستانی پریس، نادر علی خاں، ص ۲۳)

3.5: پرنٹنگ پریس کی عہد بہ عہد ترقی

لیٹر پریس انیسویں صدی کی ایجاد ہے۔لیتھو کی چھپائی کے بعد جب آفسیٹ پریس آیا تو چھپائی کی دنیا میں ایک نیا انقلاب آ گیا۔اوراب اکیسویں صدی میں ڈیجیٹل پریس سے چھپائی کا کام چل رہا ہے۔لیتھو پریس، آفسیٹ پریس، لیٹر پریس، اسکرین پریس، فلیکسو گرافی اور ڈیجیٹل پریس کی اپنی ایک کہانی ہے۔صحافت، اخبارنویسی اور ماس میڈیا میں دلچسپی رکھنے والے افراد کے لئے پرنٹنگ پریس کی ان تمام تکنیکی مسائل سے تھوڑی بہت جانکاری ضروری ہے۔ پرنٹنگ پریس کی ترقی نے ہی اخبارنویسی کی ترقی کی بنیاد رکھی۔سن 1903 میں جب علی گڑھ سے مولانا فضل الحسن حسرتؔ موہانی نے اپنا رسالہ ''اردوئے معلیٰ'' جاری کیا تو چھپائی کا کام اس قدر مشکل اور محنت طلب تھا کہ مولانا خود اپنے ہاتھوں سے بڑے بڑے پتھر اٹھا کر سیٹ کرتے تھے۔ بڑی مشکل سے کسی اخبار کی سو کاپیاں چھپا کرتی تھیں۔آج پریس نے وہ ترقی کی ہے کہ چند گھنٹوں میں اخبار کی بیس لاکھ سے زیادہ کاپیاں چھپ جاتی ہیں۔ایک ایک اخبار کے پچیس لاکھ سے زیادہ کاپیاں شائع ہو رہی ہیں۔ یہ سب پرنٹنگ پریس کی ترقی کے بغیر ممکن نہیں تھا۔

لیٹر پریس ٹیکنک چھپائی کا بہت ابتدائی ماڈل ہے۔اس میں روشنائی کی مدد سے جو تصویر پلیٹس پر ابھرتی ہے اسے ڈائریکٹ کاغذ شیٹ پر منتقل کر دیا جاتا ہے۔متن کی چھپائی کے لئے ٹائپ کا جو بلاک تیار کیا جاتا ہے وہ آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے۔ابھری ہوئی سطح پر روشنائی پوت دیتے ہیں اور پھر اسے ایک خاص انداز سے دبایا جاتا ہے جس سے کاغذ پر تحریر ابھر آتی ہے۔ جب تک چھپائی کا کام بہت بڑے پیمانے پر نہ ہو تب تک تو یہ تکنیک کام آ سکتی تھی لیکن تجارتی اور کاروباری سطح پر جب بڑے پیمانے پر چھپائی کا کام کرنا ہو تو یہ ٹیکنک بہت کارگر نہیں ہے۔اس ٹیکنک میں روشنائی کے استعمال میں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ روشنائی کے پھیل جانے کا خطرہ بھی رہتا ہے۔ دوسری دقت بلاک کو کس طاقت سے دبانا ہے یہ بھی فیصلہ مشکل ہوتا ہے۔ بہت زیادہ مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو کاریگر کام میں بہت زیادہ مہارت حاصل کر لیتے ہیں ان پہ انحصار بہت بڑھ جاتا ہے۔ نئے آدمی کو بہت محنت اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے تب کہیں جا کر وہ اس ٹیکنک میں مہارت حاصل کر پاتا ہے۔کاریگر کی مہارت اور

روشنائی کا مناسب پھیلاؤ ہی چھپائی کا معیار طے کرتا ہے ورنہ روشنائی کاغذ پر بکھر کر چھپائی کو بدرنگ بھی کر دیتی ہے۔

آفسیٹ پرنٹنگ نے بیسویں صدی میں چھپائی کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کیا۔ آفسیٹ پرنٹنگ میں چھپائی کے لئے پلیٹوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ عموماً یہ پلیٹس المونیم کے بنے ہوتے ہیں۔ چھپائی کی اس تکنیک میں روشنائی سے جو تصویر بنتی ہے اسے المونیم پلیٹس سے ربر بلنکیٹس پر بھیجا جاتا ہے جہاں سے وہ کاغذ کی شیٹ پر پہنچ کر چھپائی کے عمل کو مکمل کرتے ہیں۔ اس تکنیک کا نام 'آفسیٹ' اسی لئے پڑا کیونکہ اس میں جو تصویر روشنائی کے استعمال سے ابھرتی ہے وہ ڈائریکٹ کاغذ کی شیٹ پر نہیں پہنچتی بلکہ پہلے ربر بلینکیٹ پر پہنچتی ہے۔ اس تکنیک میں حروف بہت صاف صاف کاغذ پر ابھرتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں پلینو گرافی اور لیتھو گرافی بہت مشہور رہی ہیں۔

لیٹر پریس کی جدید ترین تکنیک کو فلیکسو گرافی کہتے ہیں۔ اسے صرف فلیکسو بھی کہتے ہیں کیونکہ ابتدائی زمانے میں اس تکنیک سے اخبار یا کتاب کی چھپائی کے بجائے کارڈ بورڈ وغیرہ کی چھپائی کا کام ہوتا تھا۔ اب بھی اس تکنیک کا استعمال پیکنگ وغیرہ کی چھپائی کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس میں 'تھری ڈی' تکنیک کے ذریعے پالیمر وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں چھپائی کے لئے پرنٹنگ سلنڈر کا استعمال ہوتا ہے۔ اس تکنیک میں روشنائی کی کھپت کم ہوتی ہے اور روشنائی کے پھیل جانے کا خطرہ بھی کم ہوتا ہے۔ آجکل کاغذ کے بجائے پلاسٹک اور پالیتھین وغیرہ پر بھی چھپائی کی بہت ضرورت پڑتی ہے۔ دواؤں کے بنڈڈبے یا مشروبات کی بوتلوں پہ جو چھپائی ہم دیکھتے ہیں وہ اسی تکنیک سے ممکن ہے۔ جدید تجارتی اور کاروباری تقاضوں کو پورا کرنے مین فلیکسو گرافی کا بہت اہم رول ہے۔

اسکرین پرنٹنگ میں نفاست زیادہ پائی جاتی ہے۔ اس میں اسٹینسل کے استعمال سے ایک تیز دھاردار تصویر ابھرتی ہے۔ الومینیم فریم کا استعمال اس تکنیک میں بھی کیا جاتا ہے۔ پھر چھپائی والے حصے کو اسٹینسل کے استعمال سے بلاک کیا جاتا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسکرین پرنٹنگ کا استعمال اخبار یا کتابوں کی چھپائی کے لئے نہیں کرتے ہیں بلکہ کپڑوں پر چھپائی کے لئے اسکرین پرنٹنگ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ڈریس ڈایزائینگ کی دنیا میں اسکرین پرنٹنگ کی بڑی اہمیت ہے۔ ساڑیوں پر جو رنگ برنگے ڈیزائن ہم دیکھتے ہیں وہ اسکرین پرنگ کا کمال ہے۔ گارمنٹ انڈسٹری کے لئے اسکرین پرنٹنگ ایک ضروری شے ہے۔ ویسے صرف پہننے کے کپڑوں پر ہی چھپائی نہیں ہوتی ہو بلکہ کچھ ایسے کپڑوں پر بھی اسکرین پرنٹنگ کے ذریعے چھپائی ہوتی ہے جسے پڑھنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

جیسے کسی بڑی نمائش میں بڑے بڑے بینر لگائے جاتے ہیں جن پر کچھ ضروری اطلاعات چھپی ہوتی ہیں۔ یہ بینر زیادہ تر کپڑوں سے بنائے جاتے ہیں جن پر اسکرین پرنٹنگ کے ذریعے چھپائی ہوتی ہے۔ کاغذ پر بنے بینر کے مقابلے کپڑوں پر بنے بینر دیرپا ہوتے ہیں۔ اور انھیں ایک سے زیادہ بار آسانی سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کپڑوں پر کسی بھی طرح کی چھپائی کے لئے آفسیٹ کے بجائے اسکرین پرنٹنگ زیادہ کارگر ہے۔ کپڑوں پر حروف کی چھپائی ہو یا تصویروں کی چھپائی، اس چھپائی کے لئے اسکرین پرنٹنگ کی ٹیکنک کا ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

جہاں تک ہندوستان میں پرنٹنگ پریس کی ترقی کا سوال ہے تو اس کی کہانی بھی بڑی دلچسپ ہے۔ ہندوستان میں پرتگالی اور انگریز مشنریوں نے اپنے مذاہب کی تبلیغ کے لئے سب سے پہلے چھاپہ خانہ قائم کئے۔ اے کے پرولکر کی مشہور کتاب ''ہندوستان میں چھاپہ خانہ'' ایک مستند کتاب مانی جاتی ہے۔ اس کتاب میں لکھتے ہیں:

> ''چھاپہ خانہ کی تاریخ میں یہ بات اب وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ سب سے پہلے چین میں سن 868 عیسوی کے قریب چھپائی کا آغاز ہوا۔ عربوں نے یہ فن اور کاغذ بنانا چین سے سیکھا اور پھر کافی ترقی دی۔ بغداد اور قاہرہ نے کاغذ بنانے اور نتیجتاً چھپائی کے فن کو فروغ دینے میں اہم حصہ ادا کیا۔ اور جب یہاں تہذیب و تمدن کی رفتار ماند ہونے لگی تو یہ فن پندرھویں صدی میں یوروپ منتقل ہوا۔ یوروپ سے سفر کرتا ہوا یہ فن سن 1556 میں گوا کے مقام پر ہندوستان میں سکونت پذیر ہوا۔''

گوا میں پرنٹنگ پریس قائم کرنے کے بعد تقریباً ایک صدی تک چھپائی کے کام میں کوئی بڑی انقلابی تبدیلی نہیں آئی۔ اس کا سبب راہبوں کا آپسی تنازعہ تھا۔ اس میں کوئی بھی راہب مقامی زبان سیکھنے کی ایماندارانہ کوشش نہیں کرتا تھا۔ اس لئے تقریباً ایک صدی بعد پرنٹنگ پریس کی ترقی کے لئے کوششیں شروع ہوئیں۔ اس سلسلے میں پرولکر نے لکھا ہے: ''گوا میں چھاپہ خانہ دوبارہ 1821 تک ظہور میں نہیں آیا۔ سال مذکورہ کے 16 ستمبر کو وائسرائے کوندے ریو پارو دو کو عوامی مہم کے نتیجہ میں ہٹا دیا گیا۔ اس وقت حکومت نے بمبئی سے ایک مطبع گوا لانے میں پیش قدمی کی۔''

گوا کے پرنٹنگ پریس کے بعد بمبئی، ٹرانکور (مدراس)، کوچن اور کلکتہ و سیرام پور وغیرہ میں پرنٹنگ پریس قائم

کیے گئے۔اس وقت ہندوستانیوں میں ابھی وہ شعور بے دار نہیں ہوا تھا کہ مقامی زبانوں میں اخبارات شائع کرنے کے لئے وہ پرنٹنگ پریس کی ترقی کے لئے کوشش کریں۔لیکن انگریزوں میں پرنٹنگ پریس کو لے کر دو طرح کی رائیں پائی جاتی تھیں۔ایک طرف ترقی پسند انگریز چاہتے تھے کہ پرنٹنگ پریس کو خوب ترقی حاصل ہو۔تاکہ علم کا فروغ ہو سکے۔ لیکن انگریزوں میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو خوف زدہ تھا کہ پرنٹنگ پریس کے آنے سے اخبارات آسانی سے شائع ہونگے۔اور جب اخبارات عام لوگوں تک پہنچے گے تو ان کو ہر طرح کی خبریں ملنے لگیں گی۔اس طرح عوام کہیں حکومت کے خلاف صف آرا نہ ہونے لگیں۔

عہد بہ عہد پرنٹنگ پریس کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے سن 200 عیسوی کے قریب وڈ بلاک پرنٹنگ کا زمانہ نظر آتا ہے۔سن 1875 عیسوی کے آس پاس آفسیٹ پرنٹنگ کا دور شروع ہوتا ہے۔سن 1950 عیسوی کے قریب اِنک جیٹ پرنٹنگ اور سن 1987 عیسوی کے قریب سالیڈ اِنک پرنٹنگ کا زمانہ آتا ہے۔جانس گٹن برگ نے جو پرنٹنگ پریس بنایا تھا اس میں ایک گھنٹے میں محض پچیس کاپیاں چھپ سکتی تھیں لیکن آج ہمارے پاس ایسے پرنٹنگ پریس موجود ہیں جن سے ایک گھنٹے میں نو ہزار سے زیادہ کاپیاں چھپتی ہیں۔اب ایسے پرنٹنگ پریس بھی موجود ہیں جہاں ہر بیس منٹ میں چھ ہزار کاپیاں چھپ سکتی ہیں۔ایک زمانے میں پرنٹنگ مشین کو ہاتھ سے چلانا پڑتا تھا۔ بہت زیادہ جسمانی محنت درکار تھی۔اب کمپیوٹر نے پرنٹنگ کے کام کو بھی بہت آسان بنا دیا ہے۔ڈیجیٹل پرنٹنگ کے اس زمانے میں رنگوں کا استعمال بھی بہت آسان ہو گیا ہے۔شروعاتی زمانے میں صرف ایک رنگ میں ہی پرنٹنگ کی گنجائش تھی۔پھر رفتہ رفتہ کئی رنگوں کو ملا کر ایک ساتھ پرنٹنگ کی سہولت ممکن ہوا۔اور آج ایک ساتھ ملٹی کلر پرنٹنگ بس کمپیوٹر کے ایک اشارے پر ممکن ہے۔کمپیوٹر سے پرنٹنگ آلات کو جوڑ کر جو تکنیک ہمارے سامنے آئی ہے اس نے طباعت کی دنیا میں ایسا انقلاب برپا کیا ہے کہ آج ایک اخبار کے متعدد ایڈیشن بیک وقت مختلف شہروں سے نکل رہے ہیں۔شب کے چند گھنٹوں میں کسی اخبار کی لاکھوں کاپیاں تیار کر دینا اب محض خواب نہیں ہے۔بلکہ کئی اخبارات کا روزانہ سرکولیشن لاکھوں میں ہے۔یہ سب ڈیجیٹل پرنٹنگ کے بغیر ممکن نہیں تھا۔

3.6 : آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں آپ نے سیکھا کہ

1۔ لیتھو کی چھپائی اور اسکرین پرنٹنگ میں کیا فرق ہوتا ہے

2۔ دنیا کے کس ملک میں سب سے پہلے پرنٹنگ پریس قائم ہوا

3۔ فلیکسو گرافی اور آفسیٹ کی چھپائی میں کیا امتیاز ہے

4۔ ہندوستان میں سب سے پہلے کب اور کہاں چھاپہ خانہ لگا

5۔ ڈیجیٹل پریس کا ظہور کب ہوا اور یہ کیسے کام کرتا ہے

3.7 : اپنا امتحان خود لیجئے

1۔ پرنٹنگ پریس کی ایجاد کس نے کی؟

2۔ دنیا کی قدیم ترین کتاب کون ہے؟ کب اور کہاں چھپی؟

3۔ آفسیٹ پرنٹنگ کا زمانہ کیا ہے؟

4۔ کارڈ بورڈ پر چھپائی کے لئے پرنٹنگ کی کون سی تکنیک استعمال کرتے ہیں؟

5۔ ہندوستان کی کس زبان میں سب سے پہلے چھپائی کا کام شروع ہوا؟

3.8 : سوالات کے جواب

1۔ پرنٹنگ پریس کی ایجاد جرمنی کے رہنے والے جانس گٹن برگ نے کی۔

2۔ دنیا کی قدیم ترین کتاب کا نام ''دی ڈائمنڈ سوتر'' ہے۔ یہ کتاب چین میں سن 868 عیسوی میں چھپی۔

3۔ آفسیٹ پرنٹنگ کا زمانہ 1875 کے آس پاس کا ہے۔

4۔ کارڈ بورڈ پر چھپائی کے لئے فلیکسو گرافی کا استعمال کرتے ہیں۔

3.9 : فرہنگ

لفظ	معنی
ایجاد	نئی بات پیدا کرنا، اختراع
ترویج	رواج دینا، اشاعت کرنا
ترقی	آگے بڑھنا، اضافہ، بلندی، برتری
وارد	آنے والا، موجود
من وعن	بالکل اسی طرح، جیسا ہے
ہیئت	بناوٹ، شکل، حالت
فروغ	روشنی، نور، رونق
منتقل	ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے والا،
مشروبات	شربت
سنگ	پتھر، وزن، بوجھ
آتش	آگ
اصطلاح	کسی علمی یا فنی گروہ کا کسی لفظ کے عام معنوں کے علاوہ کوئی خاص مفہوم مقرر کر لینا
سعی	کوشش
نصف	آدھا

مراکز　　مرکز کی جمع

لیتھوگرافی　　طباعت کا وہ طریقہ جس میں پیلے کاغذ پر لکھ کر پتھر یا دھات کی پلیٹ سے چھپائی کرتے ہیں

طباعت　　چھپائی

3.10: کتب برائے مطالعہ

1۔ نادر علی خاں، ہندوستانی پریس (۱۵۵۶ تا ۱۹۰۰) اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنو، 1990ء

2۔ غلام حیدر، ''اخبار کی کہانی'' ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی 1988ء

3۔ محمد افتخار کھوکھر، ''تاریخ صحافت'' مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1995ء

4۔ اے۔ کے۔ پرولکر، ہندوستان میں چھاپہ خانہ، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، 1979ء

5۔ ماہنامہ ''نیا دور''، لکھنو، یوپی، (اردو صحافت نمبر) جون، جولائی 2011ء

6۔ انور دہلوی، ''اُردو صحافت'' (مرتبہ) دہلی اردو اکادمی، دہلی، 1987ء

7۔ سید اقبال قادری، ''رہبر اخبار نویسی'' ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی 1089ء

8۔ ڈاکٹر محمد شاہد حسین، ''ابلاغیات'' ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، کوچہ پنڈت، لال کنواں دہلی، 2003ء

9۔ ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین (مرتب)، اُردو میڈیا، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی 2012ء

اکائی نمبر 4: بدلتی ہوئی دنیا میں صحافت کا کردار

4.1 تعارف

4.2 ہدف

4.3 بدلتی ہوئی دنیا میں صحافت کا کردار

4.4 امتحانی سوالات

4.5 امدادی کتب

4.1 تعارف

صحافت کسی بھی ریاست، ملک یا حکومت کا ایک اہم اور طاقتور ستون ہے۔ یہ ایک ایسا شعبہ ہے جس کی اہمیت ہر دور میں تسلیم کی گئی ہے۔ کسی بھی معاشرے میں صحافت کی ایک مخصوص طاقت ہوتی ہے جو اپنا جداگانہ اثر رکھتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ صحافت نے حکومتیں قائم کیں، کئی حکومتوں کو استحکام بخشا اور کئی حکومتوں کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا۔ مشہور مؤرخ H.G.Wells نے لکھا ہے کہ روم کی طاقتور حکومت اس وجہ سے بھی دیرپا نہ رہی کیوں کہ اس زمانے میں اخبارات عام نہ تھے۔

مشہور فاتح نپولین کو صحافت کی طاقت کا بخوبی اندازہ تھا ان کا مشہور قول ہے کہ ایک مخالف اخبار کا ایک ہزار بندوقوں سے بھی زیادہ خوف کھانا چاہئے۔ ایک مشہور مشرقی منقولہ ہے کہ چھوٹے حکمران شہنشاہِ اکبر کی تلوار سے زیادہ ابوالفضل کی قلم سے خوف زدہ رہتے تھے۔ صحافت ایک ایسا شعبہ ہے جو قوموں کو زندگی عطا کرتا ہے اور انھیں ترقی کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔

4.2 ہدف:

اس اکائی میں بدلتی ہوئی دنیا میں صحافت کے کردار پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ بدلتی ہوئی دنیا میں صحافت کا کردار کیا رہا ہے؟ صحافت نے کس طرح بدلتے ہوئے نظام کی ترجمانی کی ہے صحافت نے کس طرح دنیا کو نئی سمت ورفتار عطا کی؟ صحافت نے وقتی تقاضوں اور ضرورتوں کو کس طرح جانچا پرکھا اور پیش کیا ان سب کا تفصیلی جائزہ اس اکائی میں لیا گیا ہے۔

4.3 بدلتی ہوئی میں دنیا صحافت کا کردار

صحافت ایک ایسا شعبہ ہے جس کی اہمیت کو ہر دور میں تسلیم کیا گیا ہے۔ اِسے قدیم زمانے میں بھی جب اشاعت وطباعت کی سہولیات میسر نہ تھیں اور اخبار نکالنا ایک مشکل کام تصور کیا جاتا تھا اس کی اہمیت وضرورت کے پیش نظر اسے خاص وعام تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ آہستہ آہستہ حکومتوں کو جب صحافت کی طاقت کا اندازہ ہونے لگا تو وہ اس سے خائف رہنے لگیں یہی نہیں اسے کسی نہ کسی طرح روکنے اور حوصلہ افزائی نہ کرنے کا کام بھی انجام دیتے رہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے طرح طرح کے قوانین بنائے، ٹیکس لگائے اور ظلم وجبر سے کام لیا تاکہ اخبار یا جریدہ نکالنے کی کوششوں پر پابندی عائد کی جاسکے اور صحافیوں پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے گئے کہ اس میدان میں اترنا ہر آدمی کے بس کی بات نہ رہی صحافت کے ارتقا کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ اسے طرح طرح کے امتحانات سے گذرنا پڑا ہے لیکن کہیں نہ کہیں ایسے حوصلہ مند افراد پیدا ہوتے رہے جو تمام دقتوں کے باوجود اس کی شمع کو روشن رکھتے رہے۔ یورپ ہندوستان اور متعدد دوسرے ممالک سے ایسی شہادتیں پیش کی جاسکتی ہیں جو حوصلہ شکنی کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ ان تمام مظالم کے باوجود صحافت آگے ہی بڑھتی رہی ہے اور جیسے جیسے پرنٹنگ کی سہولیات میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اس میں بھی نیا حوصلہ اور ولولہ پیدا ہوتا رہا ہے۔

جاگیردارنہ نظام سے باہر نکلتے ہی صحافت کی ترقی کی رفتار تیز ہوئی اور نئے نئے اخبار، رسالے اور پمفلٹ شائع کئے جانے لگے جس کا بنیادی مقصد عوام کو حالات حاضرہ سے آگاہ کرنا ہی نہیں بیداری اور شعور بھی پیدا کرنا تھا تاکہ وہ اپنی طاقت کا احساس کر کے سماج میں انقلاب لانے کا کام انجام دیں۔ دنیا میں جتنے بھی ذہنی انقلاب آئے ہیں ان سب کی بنیاد تحریر شدہ لفظ پر ہی مبنی ہے۔ Printing Word دنیا کا سب سے طاقت ور ہتھیار یا آلہ ہے جس کے صحیح استعمال سے قوموں کا مقدر بن جاتا ہے اور غلط استعمال سے ان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اس لئے صحافت میں قدم قدم پر صحافتی اخلاقیات کو رہنما بنانے کی تلقین کی جاتی ہے کیونکہ اس کے غلط استعمال سے قوموں کے مستقبل کے تاریک ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔

جمہوریت کے ارتقا کے ساتھ صحافت کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی رہی ہے اگر یہ کہا جائے کہ صحافت کے بغیر جمہوریت نامکمل ہے تو بے جا نہیں ہے۔ جمہوریت کی کامیابی کا راز عوام کے بیدار اور باشعور ہونے میں ہے اس کا کام تعلیم سے بھی زیادہ صحافت انجام دیتی ہے کیونکہ کسی موقع پر کس طرح کا عمل ضروری ہے اور قوموں کو ارتقا کے کس موڑ پر انہیں کیا کرنا ہے اس کا شعور صحافت ہی پیدا کرتی ہے اس لئے صحافت کو جمہوری نظام کا چوتھا ستون قرار دیا جاتا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ جمہوریت کی عمارت کا مضبوط ترین ستون صحافت ہے تو بے جا نہیں ہے۔

صنعتی انقلاب کے بعد دنیا میں حالات ایسے تیزی سے بدلے کہ اس کا ساتھ دینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں رہی۔ انسان کی روزمرہ زندگی کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو پورا کرنا یہ بھی کسی نظام کے اختیار میں نہیں رہا ان حالات میں باشعور اور بیدار شہروں کو کس طرح زندہ رہنا ہے اس کا شعور صحافت ہی پیدا کرتی ہے۔ گزشتہ تین سو سال کے دوران انسان کی دلچسپیوں میں اتنا اضافہ ہوا ہے کہ اگر وہ دلچسپیوں کے لئے سامان اکٹھا کرنے لگیں تو کئی عمریں درکار ہونگیں جو ممکن نہیں ہے لیکن صحافت ایسا جادو ہے جو عمروں کے یہ فاصلے لمحوں میں بدل کر قوموں کو وہ سب کچھ فراہم کرتی ہے جو بصورت دیگر حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے انسان کا صحافت سے چولی دامن کا ساتھ ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ Electration or, Mass Media کی بے پناہ ترقی کے باوجود آج بھی اخبار کی اہمیت اتنی ہی ہے جتنی اس وقت تھی جب کوئی اور وسیلہ موجود نہ تھا بلکہ انسانی دلچسپیوں اور ضرورتوں میں اضافے نے اس کی اہمیت کا درجہ بڑھا دیا ہے اکثر ریڈیو اور ای میل انٹرنیٹ پر حالات کے

بارے میں جاننے کے باوجود ہماری پیاس نہیں بجھتی اور ہم چاہتے ہیں کہ مزید معلومات حاصل ہوں۔ واقعہ کی تفصیلات تک پہنچنے کا کام اخبار یا صحافت ہی انجام دیتی ہے۔ آج کے انسان کے پاس اتنی فرصت نہیں کہ وہ وقت نکال کر کھیل کے میدان میں جائے اور کھیل کو ہوتے دیکھے یا بازار جائے اشیا کا نرخ معلوم کرے یا یہ جانے کہ مارکیٹ میں کیا حال ہے۔ اگر کوئی فیکٹری لگانی ہے تو ضروری ہے کہ پہلے یہ اندازہ کرلیا جائے کہ کچا مال کہاں میسر ہوگا اور کارخانے میں جو اشیا ضرورت ہونگی ان کے لئے مارکیٹ کہاں ہوگی۔ اس کام کو فیکٹری والوں نے خود کرنا ہے۔ فیکٹری لگانے سے پہلے انہیں معلومات جمع کرنے کے لئے لاکھوں روپئے صرف کرنا ہونگے۔ لیکن اخبار ہر علاقے کے حالات کے بارے میں خبر وغیرہ شائع کرتے رہتے ہیں جن سے گھر بیٹھے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ کسی علاقے میں کیا کچھ پیدا ہوتا ہے اور وہاں کی ضروریات کیا ہیں۔ یہی نہیں عملی اور ادبی دلچسپیوں کے لئے بھی اخباروں میں کالم شائع ہوتے ہیں۔ چنانچہ ادب سے دلچسپی رکھنے والے بھی اس کے ذریعے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ آج کے انسان کا صحافت سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ خصوصاً ہمارے اس دور میں علم کے میدان میں جتنی دھماکہ خیز پیش رفت ہورہی ہے اسے ہر کسی تک پہنچانے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی وسیلہ نہیں ہے۔

4.4 نمونہ برائے امتحانی سوالات

۱۔ بدلتی ہوئی دنیا میں صحافت کے کردار پر روشنی ڈالیے۔

۲۔ صحافت نے کس طرح بدلتے نظام کی ترجمانی کی۔ وضاحت کیجئے؟

4.5 امدادی کتب

۱۔ اردو صحافت۔ مرتب انور علی دہلوی ۲۔ اردو صحافت کا سفر۔ گربچن سنگھ

۳۔ اردو صحافت سمت و رفتار۔ ڈاکٹر اعجاز حسین شاہ

اکائی نمبر5: زرد صحافت کا تصور

5.1 تعارف

5.2 ہدف

5.3 زرد صحافت کا تصور

5.4 امتحانی سوالات

5.5 امدادی کتب

5.1 تعارف:

زرد صحافت اُس صحافت کو کہتے ہیں جس میں کسی خبر کے سنسنی خیز پہلو کو اتنا زور و شور اور چمکا کر پیش کیا جائے کہ اصل خبر کی صورت مسخ ہو کر رہ جائے اور اس خبر کی اصلیت قارئین کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ یہ اصطلاح انیسویں صدی کی آخری دہائی میں اس وقت واضح ہوئی جب نیو یارک کے اخبارات کے رپورٹر اپنے اپنے اخبارات کی اشاعت بڑھانے اور قارئین کی توجہ زیادہ سے زیادہ اپنے اخبارات کی جانب مرکوز کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ نیویارک کے رپورٹر اپنے اپنے اخبار کی اشاعت بڑھانے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے وحشت ناک اور ہیجان انگیز رپورٹنگ کرنے میں پوری طرح مگن تھے۔ زرد صحافت میں زیادہ تر فرضی خبریں ہوتی ہیں۔

5.2 ہدف:

اس اکائی کا مقصد طلبا و طالبات کو زرد صحافت کے معنی و مفہوم سے روشناس کرانے کے ساتھ ساتھ اس کے

آغاز کے متعلق بھی جانکاری بہم پہنچانا ہے۔ زرد صحافت میں کس طرح ایک اصل خبر کو مسخ کر کے نمک مرچ لگا کر سنسنی خیز بنایا جاتا ہے اور اس کے معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں اس کی وضاحت اس اکائی میں کی گئی ہے۔

5.3 زرد صحافت کا تصور

زرد صحافت سے مراد ایسی صحافت ہے جس کا مقصد سنسنی پھیلا کر قارئین کی زیادہ سے زیادہ توجہ حاصل کرنا ہے۔ اس منزل کو پانے کے لئے جان بوجھ کر ایسی خبریں شائع کی جاتی ہیں جن میں صداقت تو بہت کم ہوتی ہے لیکن وہ قاری کے لئے بے پناہ کشش کا باعث ہوتی ہیں۔ اس منزل تک پہنچنے کے لئے ایسا مواد استعمال میں لایا جاتا ہے جو قاری کے دل و دماغ پر سوار ہو کر اسے اپنے شکنجے میں اس طرح جکڑ لیتا ہے قارئین کی گرفت کے ساتھ ہی ساتھ اسلوب بھی ایسا ہی برتا جاتا ہے جس میں حیرانی اور استعجاب کا عنصر بھرپور ہی نہیں جادوئی بھی ہوتا ہے۔ بعض اوقات مثالوں اور تصویروں سے یہ جادو جگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سنسنی پھیلانے والے عناصر کی مثالیں اکا دکا صحافت کے ابتداء ہی سے ہمارے سامنے آنے لگتی ہیں لیکن اس کا باقاعدہ آغاز 1890ء کے آس پاس دو اخباروں New Yark World اور New Yark Journel سے ہوا اور New Yark World نے 1889ء ہی سے مزاحیہ خاکوں اور تصویروں کو برتنا شروع کر دیا تھا۔ 1893ء New Yark World نے پہلی بار رنگین صحافت کا آغاز کیا۔ 1896ء میں اس نے پوری طرح ایک بدشکل لباس کو ہلکا زرد رنگ دینے کے لئے اپنے رنگین پریس کو استعمال کیا جسے ٹوٹے ہوئے دانتوں والے ایک خوشحال شخص نے پہن رکھا تھا۔ Richard-F- out calt جو کہ ایک مصور تھا، وہ اس نوعیت کی متعدد تصویروں کا مرکزی کردار تھا۔ یہ تصویریں سستے فلیٹوں والے شہر میں ہوئے خیالی واقعات کو پیش کرتی تھیں ان دو اخباروں میں اس طرح کی کوشش ایک نئی چیز تھی اور اس سے اخبار کی اشاعت میں خاصہ اضافہ ہوا۔ 1895ء Willium Randolph hearst نے فرانسیسی Examination کو چلانے کے لئے New Yark Journel کو بھی خرید لیا اور اس طرح New Yark World کے مدمقابل سامنے آ گیا۔ اوٹ کالٹ کی تصویروں کی شہرت کو دیکھتے ہوئے Thearet نے اسے اچھے معاوضے کا لالچ دے کر اپنے

Journel کے لئے بھی زرد بچیکو استعمال کرنے کی ترغیب دی چنانچہ اسے اس نے 1696ء سے شائع کرنا شروع کیا New Yark World کے ایڈیٹر نے اب George B. Luks کو ایک اور زرد بچہ تخلیق کرنے کا کام سپرد کیا جو اوٹ کالٹ کے زرد بچے کا مدمقابل ہوسکتا ہے New Yark World کی گاڑیوں اور دیواروں پر اشتہار چپکا کر اس زرد بچے کو خاصی شہرت عطا کی گئی۔ Journel اور World اس کے علاوہ ایسے راستے اپنا رہے تھے جن سے ان کی اشاعت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ خاص طور سے قارئین کے جذبات کو استعمال کرنے والوں نے دونوں اخباروں کو خوب برتا، اس مقصد کے لئے ہر طرح کے جرائم خاص طور سے ماردہاڑ کے واقعات اور جنسی جرائم کو موضوع بنایا گیا۔ اسپین کے خلاف قیوبا کی جو بغاوت اس وقت ہوئی اور جس کی وجہ سے 1889ء میں اسپین اور امریکہ کی جنگ واقع ہوئی کو ہی برتا گیا طویل سرخیوں کو استعمال کیا گیا جو بعض اوقات آدھے صفحے پر محیط ہوتی تھیں اور جن کا مقصد غلط تاثرات کو ابھارنا ہوتا تھا۔ یہ سب ذرائع ان دونوں اخباروں نے اپنی اشاعت کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لئے برتے۔ اس دور میں متذکرہ اخبار اس حد تک نکل گئے کہ ان کی شرمناک حرکات نے بہنوں کی بے حرمتی کر کے ان کے دل دکھائے۔ اور اس وجہ سے New Yark World پریس کے ایڈیٹر نے اس کو زرد Yellow Press کے عنوان سے منسوب کیا جس سے بعد میں زرد جرنل ازم کی اصطلاح پھوٹی۔

5.4 امتحانی سوالات

---

۱) زرد صحافت سے کیا مراد ہے۔

۲) زرد صحافت کے آغاز وارتقا پر روشنی ڈالئے

5.5 امدادی کتب

---

۱) اردو صحافت۔ مرتب انور علی دہلوی ۲) اردو صحافت کا سفر۔ گربچن سنگھ

اکائی نمبر 6: ہندوستان میں مطبوعہ صحافت کا آغاز: (الف) فارسی، (ب) انگریزی

6.1 تعارف

6.2 ہدف

6.3 ہندوستان میں مطبوعہ صحافت کا آغاز

(الف) فارسی اور (ب) انگریزی

6.4 امتحانی سوالات

6.5 امدادی کتب

6.1 تعارف:

ہندوستان میں مطبوعہ صحافت کا آغاز کسی نہ کسی صورت میں مغلیہ سلطنت میں ہو چکا تھا۔ بادشاہِ وقت کو وقتی خبروں کے علاوہ سلطنت کے حالات و واقعات سے آگاہ کرنے کے لیے ہرکارے ملازم رکھے جاتے تھے جو پرچوں اور رپوٹوں کی نقول بڑی تیزی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے تھے۔ ان پرچوں اور رپوٹوں کو ہم ہندوستان کی مطبوعہ صحافت کے ابتدائی نقوش کہہ سکتے ہیں۔ واضح رہے یہ پرچے اور رپوٹیں فارسی زبان میں ہوا کرتی تھیں۔ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے قدم جمنے سے انگریزی اخبار جاری ہونے کے آثار سامنے آنے لگے۔ ہندوستان میں پہلا انگریزی اخبار جمیس اگسٹس ہکی نے 1780ء میں ''بنگال گزٹ'' کے نام سے جاری کیا۔ اگسٹس ہکی ایسٹ انڈیا کمپنی کے زبردست نکتہ چیں تھے۔ اس سلسلے میں حکومت نے 1782ء میں اخبار اور پریس کو ضبط کرلیا اور یہ اخبار بند ہوگیا۔ 1784ء میں فرانسس گلاڈن نے ''کلکتہ گزٹ'' کے نام سے ایک انگریزی اخبار جاری کیا۔ اس اخبار کے ایک کالم میں فارسی زبان میں بھی خبریں شائع ہوتیں تھیں۔ ان دونوں اخبارات کی اشاعت کے بعد ہندوستان کے مختلف شہروں سے

انگریزی اور فارسی زبان میں متعدد اخبارات شائع ہونا شروع ہو گئے۔ جن میں ''دو بنگال جنرل''، Indian world، ''ممبئی گزٹ''، کوہِ نور'' Orental Star، بنگال ہرکارو، Bengal A Society, Orental Magzin، وغیرہ کافی اہمیت کے حامل ہیں۔

6.2 ہدف:۔

اس اکائی کا ہدف طلباء وطالبات کو ہندوستان میں مطبوعہ صحافت کے ابتدائی نقوش سے روشناس کرانا ہے اور فارسی اور انگریزی کے ابتدائی اخبارات کی سرگرمیوں اور خدمات سے بھی اگاہ کرانا ہے۔

6.3 ہندوستان میں مطبوعہ صحافت کا آغاز: (الف) فارسی اور (ب) انگریزی

مغلوں کے زمانے میں کسی نہ کسی شکل میں صحافت کا وجود تھا۔ شہنشاہ کو حالات حاضرہ سے واقفیت کرانے کے لئے یا سلطنت کے واقعات اور حالات سے باخبر رکھنے کے لئے ایسے اہل کار اور ہرکارے ملازم رکھے گئے تھے جو بڑی تیز رفتاری سے خبروں کے پرچے یا حالات سے متعلق رپورٹوں کی نقول ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے اور اس طرح یہ سلسلہ بادشاہ تک جاری رہتا۔ جگہ جگہ ایسے گھوڑ سوار متعین کئے گئے تھے جو بڑی تیز رفتاری سے اُن پرچوں کو مقررہ مقام تک پہنچاتے اور اس طرح شام ہوتے ہوتے ہوئے شہنشاہ، وزیر یا حاکم اپنی سلطنت میں ایسے واقعات سے روشناس ہوجاتے اور پھر اُن کے سدباب کے لئے یا ماحول کے حل کے لئے ضروری احکامات بھی جاری کرتے یہ ساری کی ساری خط وکتابت یا اخبار نویسی فارسی زبان میں ہوتی تھی کیونکہ فارسی مغلوں کی سرکاری یا درباری زبان تھی۔ ان پرچوں سے ایسی اطلاعات بھی ہر ایک تک پہنچی تھیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مغلوں کے ہی زمانے میں فارسی زبان میں باقاعدہ اخبار جاری کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔ چند ایک اخبار جاری بھی کیے گئے لیکن ان کے نمونے ہمارے سامنے نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہنا مشکل ہے کہ ان اخباروں کا معیار کیا تھا یا وہ کس طرح کی صحافت کیا کرتے تھے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے اثر ورسوخ بڑھنے کے ساتھ ہی ساتھ یہ کوششیں بھی کیں جانے لگیں کہ ہندوستان میں باقاعدہ صحافت کا آغاز کیا ہی جائے۔ چنانچہ موجود انگریزی صحافت کا سنگِ بنیاد ایسٹ انڈیا کمپنی کی ہی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہاں یہ بات کہہ دینا بھی بجا ہے کہ کمپنی کے اکثر ملازمین یورپی اقوام سے تعلق رکھتے تھے اور یورپ کے مختلف ممالک سے آئے تھے۔ جہاں صحافت کی باقاعدہ روایت خاصی پروان چڑھ چکی تھی۔ چنانچہ انہیں صحافت کی اہمیت کا اندازہ ہونے کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم تھا کہ صحافت ایک خطرناک پیشہ ہے اور اس کی باقاعدہ حوصلہ افزائی کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ یورپین ممالک میں احکام اکثر اخبار نویسوں سے خائف رہتے تھے چنانچہ یہاں بھی ایسٹ انڈیا کمپنی ارباب حل وعقد نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی لیکن انہیں کے ایسے مقدر بن گئے جو ذاتی وجوہات کی بنا پر کمپنی کی ملازمت سے نکالے گئے۔ یہ ان کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں انگریزی صحافت کا آغاز ہوا چنانچہ کمپنی کے چند مطعوب ملازمین نے اس کا بیڑا اٹھایا انہیں میں سب سے اہم نام Wiluam Bolts کا ہے کمپنی کے زمانے میں کمپنی کے اندر آہستہ آہستہ ایسے لوگ پیدا ہوگئے جو کمپنی کی ملازمت کرنے کے ساتھ ہی ساتھ زیادہ سے زیادہ لوٹ مار کرنے کیلئے ذاتی یا نجی تجارت بھی کرنے لگے۔ Wiluam Bolts ایسے ہی اشخاص میں سے ایک تھا جو کمپنی کی ملازمت کے باوجود شخصی تجارت بھی کررہا تھا۔ یہی جرم بالآخر ترک ملازمت کا باعث بنا چنانچہ کمپنی کے حکام سے فارغ ہوکر بھی اس نے اخبار جاری کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ کمپنی کی سیاہ کاریوں کو منظر عام پر لایا جاسکے لیکن جلد ہی کمپنی کے احکام نے اسے ہندوستان سے نکال دینے کا فیصلہ کیا اور جو حکم جاری کیا اس کا متن حسب ذیل ہے۔

> ''اس موقعے پر اور اس سے قبل Mr. Bolts کمپنی کے نظم ونسق کے خلاف نفرت اور شہر میں بدامنی پھیلانے کی کوشش کرچکے ہیں اور اس طرح انہوں نے کمپنی کے تحفظ کا اہل ثابت نہیں کیا۔ اس لئے ان کو ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ فوراً حدود بنگالے سے نکل جائیں۔ جولائی کے مہینے میں جو جہاز مدراس جائے اس سے وہ مدراس چلے جائیں اور ستمبر کے مہینے میں وہاں سے یورپ کے لئے روانہ ہوں۔

بالآخر (Bolts) انگلستان کے لئے روانہ ہوگئے وہاں پہنچ کرانہوں نے (Consideration on Indian affairs) کے نام سے پانچ سوصفحات پر مشتمل اپنی معرکہ آرا کتاب شائع کی۔ جس سے کمپنی کی سیاہ کاریوں کا کچا چھٹا سامنے آ گیا۔

Wiluam Bolt کی جلاوطنی کے بعد جیسیم اگسٹس ہکی کمپنی کے جوروستم اوراطاعت کا شکار ہوئے تو انہوں نے 25 جنوری 1780ء کوایک انگریزی اخبار بنگال گزٹ کے نام سے جاری کیا۔ جو 12x8 سائز کے چار صفحات پر شائع ہوتا تھا اور سرے ورق پر جعلی حروف میں حسب ذیل عبارت درج ہوئی تھی۔

''ہفتہ وار سیاسی اور تجارتی اخبار ہے جس کے صفحات ہر پارٹی کے لئے کھلے ہوتے ہیں لیکن اخبار کو کسی پارٹی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔''

ہکی اپنے اندر فکر اور جرت رندانہ اور بیبا کی میں Bolts کا جانشین اور ہمعصر ہی نہیں بلکہ بعض معاملات میں اس کا امام تھا۔ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زبردست نکتہ چین تھے اور ان کے فریب تشدد اور انسانیت سوز رویئے پر نڈر ہوکر لکھتے تھے۔ انہوں نے گورنر جنرل واران ہیسٹنگیز کو ہی نہیں بلکہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس تک نہیں بخشا ایسٹ انڈیا حکام کے علاوہ مذہبی رہنما بھی ان سے نیم جان تھے چنانچہ پادری جان زکریا جو کلکتے سے پہلے انگریزی کلیسا کے پادری تھے، کے حرص وطمع اور خیانت کی دستان جب زینت اخبار بنی تو مسٹر ہکی کو چار ماہ کی جیل کی سزا دی گئی۔ پانچ سو روپیہ جرمانہ بھی کیا گیا لیکن یہ سزا بھی ہکی کے جوش وجذبے کو کم نہیں کرسکی بلکہ ان کی عبارت میں اور بھی بجلی کی لپک پیدا ہوگئی چنانچہ گورنر جنرل نے ڈاک کی مسودات ضبط کرلیں اور حسب ذیل احکامات جاری کئے۔

''عوام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ہفتہ وار بنگال گزٹ یا کلکتہ advertisor جس کے ناشر اے ہکی ہیں اور جس میں عرصے سے ایسے غیر مہذب مضامین شائع ہورہے ہیں جن کا مقصد لوگوں کو بدنام کرنا اور شہر کے امن کو مکدر کرنا ہے اس لئے جنرل پوسٹ آفس سے اس اخبار کا تقسیم ہونا بند کیا جاتا ہے۔''

ہکی نے اس حکم کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اخبار کی تقسیم کے لئے اپنے انتظامات کئے جس کے لئے انہوں نے

20 سرکاری ملازم رکھے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے بالآخر 1782ء میں اس اخبار اور اس کے پریس کو ضبط کر لیا۔ جس کے بعد یہ اخبار بند ہو گیا۔

قانونی داروگیر کے علاوہ مسٹر ہکی کے حریفوں نے میدانِ صحافت میں بھی مقابلہ کیا نومبر 1780ء میں انڈیا گزٹ کے نام ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا یہ اخبار کمپنی کا وفادار تھا۔انہیں خدمات کے عوض میں اس اخبار کا موصول ڈاک بھی معاف تھا۔ان ابتدائی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا صاحب علم وفضل لوگ بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے اور لوگوں میں آہستہ آہستہ اخبار جاری کرنے کا شوق بڑھتا گیا اور کچھ ہی عرصہ بعد جبکہ صحافت کے مضامین میں توازن واعتدال پیدا ہوا۔چنانچہ اس طرح کے ایک شخص Francees Gladon نے کلکتہ گزٹ کے نام ایک اخبار جاری کیا۔یہ نیم سرکاری اخبار تھا جو 4 مارچ 1784ء کو جاری کیا گیا۔ اس کے سرورق پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا نشان بھی شائع ہوتا تھا اور بغیر موصول کے تقسیم ہوتا تھا (مسٹر گلید ون) چونکہ فارسی کے زبردست عالم تھے اس لئے اس انگریزی اخبار کے ایک کالم میں فارسی خبریں بھی شائع ہوتی تھیں۔کلکتہ گزٹ ہفتہ وار اخبار تھا جو ہر جمعرات کو شائع ہوتا تھا۔ ویسے ابتدا کے سبھی اخبار ہفتہ وار ہی تھے۔کلکتہ گزٹ میں خبروں کے علاوہ مراسلے اور نظمیں بھی شائع ہوتیں تھیں۔ چار پانچ سال کی جدوجہد اور کاوش کے بعد اخبار بینی کا شوق اس درجہ عام ہوا کہ علمی اور ادبی رسائل کو جاری کرنے کے امکانات پیدا ہو گئے چنانچہ 1785ء میں Gardon اور Hay نے Ashiatic Miscellanry and Bengal Rigester کے نام سے سہ ماہی پرچہ شائع کیا جو شرفائے یورپ میں مقبول اور قدر ومنزلت سے دیکھا گیا۔

جلد ہی 1785ء میں بنگال جرنل کے نام سے ایک اور ہفتہ وار اخبار بھی جاری کیا اس کے ایک اور مدیر Tome John Sons جو بڑے نیک اور صلاح پسند انسان تھے۔1791ء میں جب یہ اخبار دو وکیلوں نے خرید لیا تو چند ہی ماہ کے بعد اس اخبار میں لارڈ کارنوالیس کی موت کی غلط خبر شائع کی گئی۔اس زمانے میں لارڈ موصوف مرہٹوں کے خلاف جنگ میں مصروف تھے۔چنانچہ ان دو وکلا کے خلاف جلاوطنی کی سزا مقرر کی گئی لیکن بعد میں ان کے معذرت کرنے پر انہیں بخش دیا لیکن اخبار کو ملکیت اور ادارت سے الگ کر دیا گیا۔ملک کی تیزی سے بدلتی ہوئی صورت حال کے پیش نظر اخباروں کی ضرورت دن بدن بڑھتی گئی چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ 1891ء میں Indian

World کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا لیکن 1794ء میں اخبار کا حکومت سے تصادم ہو گیا اور اس کے ایڈیٹر کو جبراً انگلستان روانہ کر دیا گیا اپریل 1785ء میں ایک ماہنامہ رسالہ Orental Magzine جاری ہوا۔ فروری 1786ء Cronic جاری ہوا یہ بھی ہفتہ وار اخبار تھا۔

15 جنوری 1782ء کو Bengal Asheatic Socieyکا قیام عمل میں آیا۔ اس سوسائٹی کی تحقیقات دائرہ اشیا کے جغرافیائی حدتک تھا چنانچہ اس تحقیق ،تفیش کی اشاعت کے بعد 1788ء میں ایک علمی رسالہ Asheatic Research کے نام سے جاری کیا 1895ء میں ڈاکٹر چارلس مسکین نے بنگال ہرکارو کے نام سے ہفتہ وار اخبار جاری کیا۔ 1799ء میں Asatic Miror کا اجرا ہوا یہ ہفتہ وار اخبار تھا اور 1799ء سے کلکتہ سے تین اخبار جاری کئے اور Orental Star بنگال سے صحافت کی شروعات نے پورے ہندوستان کو متاثر کیا اور مدراس کمپنی اور ملک کے دوسرے مقامات سے چھوٹے بڑے انگریزی اخبار جاری کئے مثلاً مدراس کا پہلا اخبار 1785 Konourء میں جاری ہوا ایک اور اخبار جس کا نام ممبئ گزٹ تھا جو 1790ء میں جاری کیا گیا۔ اسی طرح جیسے جیسے اخبارات ورسائل کی ضرورت بڑھتی گئی اور سیاسی سماجی حالات میں تبدیلی آتی گئی نئے نئے ہفتہ وار اخبار جاری ہوتے رہے۔ انگریزی زبان میں انہیں صحافتی سرگرمیوں کی وجہ سے مقامی زبانوں کے ادیبوں اور دانشوروں نے بھی اس طرف توجہ دینی شروع کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی زبانوں میں صحافتی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔

6.4 امتحانی سوالات:

---

۱) ہندوستان میں مطبوعہ صحافت کے ابتدائی نقوش اُجاگر کیجئے۔
۲) مغلیہ سلطنت کے عہد میں کس طرح کی صحافتی خدمات مہیا تھیں۔ وضاحت کیجئے؟

6.5 امدادی کتب

۱۔ اردو صحافت، مرتب انور علی دہلوی۔
۲۔ اردو صحافت کا سفر، گربچن سنگھ۔

اکائی نمبر 7: اردو صحافت کا آغاز وارتقاء

7.1 تعارف

7.2 ہدف

7.3 اردو صحافت کا آغاز وارتقاء

7.4 امتحانی سوالات

7.5 امدادی کتب

7.1 تعارف:

جام جہاں نما'' اردو کا اولین مطبوعہ اخبار ہے جو ۲۷/ مارچ ۱۸۲۲ء کو کلکتہ سے جاری کیا گیا تھا۔اس کے ایڈیٹر منشی سدا سکھ مرزا پوری اور مالک ہری ہردت تھا اور یہ ولیم ہوپکنس پمپئرس کے مشین پریس سے چھپتا تھا۔ یہ ایک ہفتہ وار اخبار تھا۔اخبار میں مذہبی ، سیاسی ، معاشی اور معاشرتی خبروں کے علاوہ جدید علوم وفنون سے متعلق مضامین اور خبریں شائع ہوتی تھیں ۔اس کے علاوہ شعروشاعری کو بھی جگہ دی جاتی تھی ۔

انیسویں صدی کے نصف حصے یا پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل تک ہندوستان کے مختلف شہروں سے متعدد اخبارات جاری ہو چکے تھے ۔اس صدی کی تیسری دہائی میں جو سب سے بڑا اخبار سامنے آیا وہ ہے ''دہلی اردو اخبار'' جسے ۱۸۳۶ء میں اردو کے مشہور انشاء پرداز مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر نے جاری کیا تھا۔ایک زمانے تک اسی اخبار کو اردو کا پہلا اخبار سمجھا جاتا رہا۔اسی دوران ایک اور اخبار ''خیر خواہ ہند'' مرزا پور سے جاری ہوا۔ اترپردیش کا یہ پہلا اردو اخبار ہے ۔ چوتھی دہائی میں مزید کئی اخبارات سامنے آئے ۱۸۴۱ء میں دلی سے ''سید

الاخبار'' ۱۸۴۱ء میں ''آئینہ گیتی نما'' سید اولاد علی کی ادارت میں جاری ہوا۔اس کے بعد مدارس سے ۱۸۴۲ء میں ''جامع الاخبار'' جاری ہوا اسے جنوبی ہند کا پہلا اردو اخبار تسلیم کیا جاتا ہے اور اس زمانے میں یہ ایک بہتر اخبار تھا جو انگریزی اخبارات کے طرز پر شائع ہوتا تھا۔اس کے ایڈیٹر سید رحمت اللہ تھے۔

جدید علوم کے فروغ میں ''قدیم دلی کالج'' کی بیش بہا خدمات رہی ہیں۔(۱۸۴۵ء) میں اس دلی کالج سے بارہ صفحات پر مشتمل ہفتہ وار اخبار ''القرآن السعدین'' کے نام سے جاری ہوا اس کے ایڈیٹر لال جی تھے۔اس کے علاوہ اسی سال میرٹھ سے ''جام جمشید'' بابو شیو چندر ناتھ کی ادارت میں اور بریلی سے مولوی عبدالرحمٰن کی ادارت میں ''عمدۃ الاخبار'' جاری ہوا۔

''صدر الاخبار'' کو آگرہ میں اردو کا پہلا اخبار تصور کیا جاتا ہے جو ۱۸۴۶ء میں جاری ہوا تھا۔ مارچ ۱۸۵۷ء میں ''معدن الاخبار'' اور ''عیار الاخبار'' لکھنؤ سے جاری ہوئے۔لکھنؤ کے ان اخبارات کی زبان مقفیٰ، رنگین اور اسلوب نگارش پر تکلف ہوا کرتی تھی۔

7.2 ہدف:

اس اکائی میں اردو صحافت کے آغاز اور ارتقا پر مفصل بحث کی گئی ہے۔طلباء وطلبات کو اردو صحافت کے آغاز اور اس کے عہد بہ عہد ارتقا کے متعلق پوری پوری معلومات بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔محققین اور مورخین کے اردو صحافت کے آغاز کے متعلق جو دعوے ہیں ان کی وضاحت بھی اس اکائی میں کی گئی ہے تاکہ طلباً و طالبات محققین اور مورخین کے دعوں اور دلیلوں سے پوری طرح آشنا ہو سکیں۔

7.3 اردو صحافت کا آغاز وارتقاء

اردو صحافت کی ابتدا کے متعلق مختلف آرائیں اور دعوے ملتے ہیں جن کی نہ تردید کی جا سکتی ہے اور نہ ہی ان

کو مکمل طور پر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کوئی تحریک آزادی کے لیے شہید ہونے والے پہلے صحافی مولوی محمد باقر دہلوی کو اردو کا پہلا صحافی اور ان کے اخبار ''دہلی اردو اخبار'' کو اردو کا پہلا اخبار قرار دیتا ہے۔ ''دہلی اردو اخبار'' 1836ء سے 1857ء تک جاری رہا۔ کوئی ''آگرہ اخبار'' (جو اکبر آباد سے 1831ء میں جاری ہوا تھا) کو اردو کا پہلا اخبار تصور کرتا ہے۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ اردو کا پہلا اخبار ''جامِ جہاں نما'' کا ضمیمہ ہے جو مارچ 1823ء کو جاری ہوا تھا۔ یوسف کاظم عارف کا دعویٰ ہے کہ 1821ء میں کولکتہ سے جاری ہونے والا ''مراۃ الخبار'' اردو کا پہلا اخبار ہے جس کے روح رواں راجا رام موہن رائے تھے۔ کچھ کا یہ دعویٰ ہے کہ اردو کا پہلا اخبار ''اردو اخبار'' ہے جسے کاظم علی نے 1810ء میں کولکتہ سے جاری کیا تھا۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ شہید ٹیپو سلطان نے 1794ء میں ''فوجی'' نام کا اخبار جاری کر کے اردو صحافت کا آغاز کیا۔ یہ اخبار شاہی سرپرستی اور سرکاری نگرانی میں شائع ہوتا تھا۔ اس کی رسائی عوام تک نہیں تھی اس کی پہنچ صرف شاہی فوج اور سپاہیوں تک ہی محدود تھی۔ یہ ایک ہفتہ وار اخبار تھا۔ اس میں زیادہ تر فوجی احکامات ہی جاری ہوتے تھے۔ ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں نے مطبع اور اخبار کی سبھی فائلوں کو جمع کر کے آگ لگا دی۔

اردو صحافت کا آغاز باقاعدہ انیسویں صدی کی ابتداء میں اس وقت ہوا جب 1822ء میں منشی سدا سکھ نے ''جام جہاں نما'' کے نام سے اردو کا پہلا ہفتہ وار اخبار ایسٹ انڈیا کمپنی کی مصلحتوں کے تحت کلکتے سے نکالا۔ یہ کبھی اردو میں اور کبھی فارسی میں کبھی دونوں زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔ ابتدا میں اگرچہ اس کی اشاعت کوئی زیادہ نہیں تھی لیکن کسی نہ کسی طرح یہ نکلتا رہا لیکن جب اس اخبار نے پنجاب کی سکھ ریاست پر حملہ کر کے انگریزی تیاری کا بھانڈا پھوڑا تو یہ اخبار مطعوب ہو گیا اور آخر میں یہ اخبار صرف فارسی زبان کا اخبار بن کے رہ گیا۔

آہستہ آہستہ فارسی زبان کا زور ختم ہوتا گیا اور اس کی جگہ اردو زبان لیتی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ اردو زبان کا دنیا میں احساس عام ہوتا گیا اردو کو صحافت میں فروغ دینے کی کوشش کی جانے لگیں۔ چنانچہ ملک کے دوسرے علاقوں میں ایسی کوششیں کیں گئیں تا کہ انگریزی کے مقابلے میں اردو اخبار جاری کیے جائیں اور انگریزوں کی سازشوں کو عام کیا جائے۔ مختلف ریاستوں کے حکمرانوں کو بدنام کرنے کی وہ جو چالیں چل رہے تھے ان کا مقابلہ کیا جائے۔ غدر سے پہلے دہلی سے نکلنے والا ''دہلی اخبار'' اردو کا سب سے با اثر اخبار تھا۔ جسے علامہ محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر نے جاری کیا تھا جو غدر کے بعد انگریزوں کی مخالفت اور جہاد آزادی کی حمائت کرنے کی پاداش میں شہید کر دئے

گئے تھے یہ حق کی راہ میں جان دینے والے اردو زبان کے پہلے صحافی تھے۔اس اخبار میں محمد حسین آزاد بھی والد کے قلمی مددگار رہے تھے اس لئے وہ بھی گرفت میں آنے والے تھے لیکن کسی نہ کسی طرح بچ گئے ۔ دہلی کا اس زمانے کا ایک اردو اخبار ''صادق الخبار'' تھا یہ بڑا بیباک اخبار تھا۔ غدر سے پہلے سرسید کے بڑے بھائی سید محمد نے بھی ایک اخبار سیدالخبار کے نام سے جاری کیا۔سرسید احمد خان بھی اس تحریک میں حصہ لیا کرتے تھے۔ یہ ایک متعدل قسم کا اخبار تھا جو غدر سے پہلے بند ہو گیا۔

غدر کے طوفان میں اردو کے بہت سے اخبار بند ہو گئے جو بچ گئے ان میں لاہور کا کوہ نور خاص طور قابل ذکر ہے۔ یہ اخبار 1856ء میں پنجاب کے انگریز حاکم کی سرپرستی میں نکلنا شروع ہوا تھا اور انگریزوں کا حامی ہونے کے باوجود بہت معیاری اور ایک وسیع المشرب تھا۔اس کے پہلے ایڈیٹر منشی ہرسخن لال تھے جن کے بارے میں یہ خیال ہے کہ وہ اس اخبار کی پالیسی سے بیزار ہو کر اس سے علیحدہ ہو گئے تھے ان کے بعد اور کئی لوگ اس اخبار کے ایڈیٹر ہوئے انہیں میں منشی نولکشور بھی تھے۔ یہ وہی نولکشور ہیں جنہوں نے غدر کے بعد لکھنؤ میں اپنا عظیم ایشان اخبار ''اودھ اخبار'' جاری کیا۔ اور ایک پریس قائم کیا جس سے اردو، فارسی، عربی اور ہندی کی مایہ ناز کتابیں اور ان کے ترجمے شائع ہوئے۔

منشی نولکشور پریس سے ہی اودھ اخبار بھی نکلا جو پہلے ہفتہ وار تھا اور پھر روزانہ ہوا کوہِ نور اخبار جس کا ذکر اوپر ہوا وہ غدر سے پہلے اگرچہ انگریزوں کا ہم نواح تھا لیکن غدر کے بعد وہ مجاہد آزادی کا ہم نواح بن گیا تھا اور اس طرح ''کوہِ نور'' اور ''اودھ اخبار'' دونوں نے ملک وقوم کی خدمات انجام دیں۔

اردو کا پہلا روزنامہ ''اردو گائیڈ'' کے نام سے خان بہادر اور مولوی کبیر الدین نے نکالا جو انگریزوں کا خوش دید اخبار تھا۔اسی زمانے میں لاہور سے اخبار ''عام'' نکلا جس کی قیمت صرف ایک پیسہ تھی جلد ہی اس اخبار کی جگہ ''پیسہ'' اخبار نے لے لی جو صرف نام کا پیسہ اخبار تھا۔اس کی اصل قیمت زیادہ تھی لیکن تھا یہ مکمل اخبار اس کے مالک اور ایڈیٹر منشی محبوب عالم بہت پڑھے لکھے اور جہاں دیدہ آدمی تھے۔ یہ اخبار 1924ء میں بند ہو گیا۔

سرسید احمد خان کا ''تہذیب الاخلاق'' غدر کے بعد جاری ہوا جو اپنے پڑھنے والوں کو جدید علوم وفنون حاصل کرنے اور انگریزی زبان اور انگریزی حکومت سے گہری واقفیت پیدا کرنے کا درس دیتا تھا۔ مسلمانوں کو پرانے خیالات سے نکالنا اس کا بنیادی مقصد تھا۔

بیسویں صدی ہندوستان کے لئے کئی انقلابات کا موجب بنی۔ کانگریس نے جو اس سے پہلے قائم ہو چکی تھی ملک میں سیاسی بیداری پیدا کرنا شروع کر دی مسلم لیگ کا قیام و بنگال کی تقسیم کی تجویز اور ایشیا و افریقہ پر مغربی ملکوں کی تباہی کانپوری مسجد کا واقعہ، ترکی سلطنت کی تباہی کا آغاز، پہلی عالمی جنگ اور جلیاں والا باغ کی خونریزی وغیرہ ان سب باتوں نے سوراج اور خلافت کی تحریک کا راستہ اختیار کیا۔ اس سے اردو اخبار بہت متاثر ہوئے اور نئے نئے اخبار نکلنے لگے۔ ایک بات یہ بھی ہوئی کہ جو اخبار انگریزوں کی ہواری لئے ہوئے تھے یا ان کا دم بھرتے تھے وہ دب گئے اور اس طرح اردو صحافت انگریزوں کی مخالفت میں شمشیر عریاں بن گئی یعنی 50 سال کے اندر ہی 1857ء کا سماں پھر پیدا ہو گیا۔ ان دنوں اردو اخباروں کی اشاعت بھی کافی بڑھ گئی اور یہ اردو صحافت کی ترقی کا سنہری دور تھا۔

1909ء میں مولانا حسرت موہانی نے اپنا رسالہ ''اردو معلیٰ'' علی گڑھ سے نکالا اس وقت مولانا ابوالکلام آزاد بھی لسان الصدق کے ذریعے میدان صحافت میں اترے ان دونوں کو اردو کی انقلابی صحافت کا جنم داتا کہنا چاہئے۔ ان دونوں نے صحافت اور آزادی کی جدوجہد میں بے مثال قربانیاں دی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انقلاب زندہ باد کا نعرہ مولانا حسرت موہانی کی دین ہے۔ مولانا آزاد نے بعد میں ''الہلال'' اور ''البلاغ'' اخبار جاری کئے۔ اسی زمانے میں بجنور سے مولوی مجید حسین نے سہ روزہ اخبار ''مدینہ'' جاری کیا جو مضامین کی بلندی، خبروں کے انتخاب اور ترتیب کی عمدہ کتابت اور طباعت نیز سستہ ہونے کی وجہ سے سارے ملک میں پھیل گیا۔ 1930ء میں اس کو روزانہ بھی کیا گیا۔

قاضی عدیل عباسی، مولانا حسرت موہانی کے ذریعے سے باقاعدہ صحافت میں آئے اور 1922ء میں لاہور جا کر ''زمیندار'' کے ایڈیٹر بھی رہے۔ ان کے علاوہ نصراللہ خان عزیز ابوسعد بزمی بھوپالی بدرالحسن جلالی، محمد احسن اور قدوس صہبائی بھی ''مدینہ'' کے ایڈیٹر رہے۔ وہ بعد میں روزانہ ہند کلکتہ اور خلافت ممبئی کے ایڈیٹر بھی رہے اور آخر میں پاکستان جا کر پشاور کے روزنامہ ''کوہستان'' کے ایڈیٹر بھی ہوئے یہ بچپن میں ہی کمینیوسٹ ہو گئے۔ اور آخر تک ایسے ہی رہے۔ ان ہی دنوں مولانا ظفر علی خان نے جنہوں علی گڑھ میں تعلیم پائی تھی انہوں نے ''زمیندار'' کو لاہور سے روزانہ اخبار کے طور سے نکالنا شروع کیا۔ ''زمیندار'' نے 1910 سے بیس سال تک آزادی کی تحریک کی زبردست حمائیت کی۔ اسی زمانے میں محمد علی جوہر نے ''ہمدرد'' جاری کیا۔ جو ''زمیندار'' کے بعد سب سے کثیر اشاعت اخبار بنا۔ لاہور سے ہی ایک اور اخبار ''انقلاب'' جاری کیا گیا۔ اسے ایک انگریز نواز پارٹی نے نکلوایا تھا جس کے لیڈر سر سکندر حیات خان تھے جو اس وقت پنجاب کے وزیر اعظم تھے۔

مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی اور مجلس خلافت کے سیکرٹری مولانا شوکت نے ممبئی سے ''خلافت'' جاری کیا جو پہلے قوم پرست اخبار تھا لیکن بعد میں مولانا شوکت علی سمیت مسلم لیگ کا حامی بن گیا۔ ہوا کے رخ کے ساتھ پالیسی بدلنا اردو اخباروں کی بدنصیبی رہی ہے۔ اس کمزوری کی وجہ سے انہیں نقصان بھی ہوتا رہا ہے لیکن ہر دور میں چند اخبار نویس بھی پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جن کی مثال ملنا مشکل ہے ان میں سب سے بڑے لاہور کے اخبار ''سیاست'' کے مالک سید حبیب تھے جو فوج کی ملازمت چھوڑ کر صحافت کے میدان میں اترے۔ پہلے کلکتے میں انگریزوں سے ٹکرائے اور خمیازہ بھگتتے رہے اور بعد میں لاہور آ کر ''سیاست'' نکالا جس نے برطانوی سامراج اور اس کے پیش روں کا ناطقہ بند کر دیا۔ قربانیاں کرتے رہے اور اخبار نکالتے رہے۔ منفرد فاقے میں مبتلا رہے جب ''سیاست'' بند کرنے پر مجبور ہو گئے تو دوسرے اخبار نکالے اپنی مجاہدانہ روش ترک نہ کی اور آخر بڑی بے کسی کے عالم میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ دوسرا اخبار ''روزانہ ہند'' ہے جو مولانا آزاد کے سب سے مستقل مزاج ساتھی مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے مولانا آزاد کے میدان صحافت سے ہٹ جانے کے بعد جاری کیا اور فرقہ پرستی کا بڑی بے باکی سے مقابلہ کیا۔ 1949ء میں روزانہ ہند سے علیحدہ ہو کر انہوں نے ہفتہ وار اخبار ''اُجالا'' نکالا جس کے ساتھ بعد میں روزنامہ ''آزاد'' بھی شامل ہو گیا جو اب تک کامیابی سے نکل رہا ہے۔

ایک اور بااصول صحافی قاضی عبدالغفار تھے جو پہلے اخبار ''ہمدرد'' میں معاون ایڈیٹر تھے اس کے بند ہو جانے کے بعد مولانا آزاد کے مشورے سے کلکتے کے اخبار ''جمہور'' میں کام کرنے کو آئے لیکن زیادہ دن نہ ٹک سکے چنانچہ حیدرآباد جا کر انہوں نے پیام جاری کیا۔ آزادی کے بعد انجمن ترقی اردو ہند کے سکریٹری ہو کر علی گڑھ آئے اور آخر تک انجمن کے جریدے ہماری زبان میں لکھتے رہے۔

ہلال احمد زبیری جو ایک بہت اچھے صحافی تھے۔ یہ اخبار ''الہمیت'' سے الگ ہو کر ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے نام سے ایک نیا اخبار ''انصاری'' نکالنے لگے۔ آزادی کے بعد یہ پاکستان چلے گئے اسی زمانے میں مولانا عبدالوحید صدیقی نے جو زمیندار کے ایڈیٹر بھی رہے تھے۔ انہوں نے دہلی سے ''نئی دنیا'' جاری کیا جو ہفتہ وار اخبار کی صورت میں اب تک نکل رہا ہے۔ آزادی کی تحریک کی زور و شور کے زمانے میں لاہور سے محاش کرشن نے ''پرتاب'' اور لالہ خوشال چند نے ''ملاپ'' نکالا یہ دونوں بڑے کامیاب اخبار تھے۔ آزادی کے بعد ان دونوں اخباروں کو دہلی سے جاری

کیا گیا اور اب تک کسی نہ کسی شکل میں نکل رہے ہیں۔ دہلی سے سوامی شردھانند نے اخبار ''تیج'' نکالا اور اس اخبار سے دیش بندھو گپتا، منشی گوپی ناتھ اور جمنا داس جیسے بڑے صحافی وابستہ تھے۔ جمنا داس نے اخبار تیج سے علیحدہ ہوکر اخبار ''سویرا'' نکالا جو اب تک نکل رہا ہے۔ آزادی کی تحریک کی حمائت میں نکلنے والا ایک اور اخبار ''قومی آواز'' ہے جو برسوں تک لکھنؤ سے نکلنے کے بعد اب نئی دہلی اور پٹنے سے بھی نکلتا ہے۔

مشہور قوم پرست رہنما میاں افتخار الدین نے جو نہرو خاندان کے گہرے دوستوں میں سے تھے اور خیالات کے اعتبار سے ترقی پسند تھے۔ انہوں نے بڑی آن بان سے اخبار ''امروز'' نکالا اس اخبار کو بہترین عملے کی خدمات حاصل تھیں جن میں فیض احمد فیض اور سبط حسن شامل تھے۔ دوسری عالمگیر جنگ کے دنوں میں بہت سے نئے اخبار جاری ہوئے۔ ان میں دہلی سے نکلنے والا اخبار ''جنگ'' بھی شامل ہے۔ آزادی کے بعد یہ اخبار پاکستان منتقل ہوگیا اور آج دنیا کے بڑے بڑے اخباروں میں شمار ہوتا ہے۔ لاہور سے صدیقی صاحب نے مسلم لیگ کی حمایت میں اخبار ''نوائے وقت'' جاری کیا اور اب تک بڑی آب وتاب سے نکلتا ہے۔ اس زمانے میں ممبئی سے اخبار ''انقلاب، ہندوستان، آفتاب جمہوریت اور اقبال نکلے ان میں آج صرف انقلاب باقی ہے جو بڑے زور وشور سے نکلتا ہے۔

آزادی کی تحریک کے دنوں کئی ہفتہ وار اخبار اور ماہوار جریدے بھی نکلے جو قوم میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کا کام انجام دیتے رہے۔ ان میں دیانرائین کا ''ساغر'' نظامی کا ''ایشیا'' اور انیس الرحمٰن کا ''نئی دنیا'' جوش ملیح آبادی کا ''کلیم''، سیماب اکبرآبادی کا ''شاعر'' عزیز حسن بقائی کا حریت، ابن حسن کا آئینہ اور دیوان سنگھ مفتوم کا ریاست قابل ذکر ہیں ان کے علاوہ امریکہ سے غدر پارٹی کا غدر ہندوستان اور سید حسن کا پیام وطن بھی جاری ہوئے۔

تقسیم ملک نے صحافت کو بہت متاثر کیا۔ بہت سے اخبار اس ہنگامے کی وجہ سے بند ہوگئے پھر بہت سے اخبار اور صحافی خاندانوں سمیت پاکستان منتقل ہوگئے جس سے ہندوستان میں اخباروں اور صحافیوں اور پڑھنے والوں میں کمی واقع ہوگئی پھر حکومت کی حسب پالیسیوں کی وجہ سے اردو زبان کی درس وتدریس بھی بند کردی گئی۔ ملک کی پہلی اردو یونیورسٹی جامعہ عثمانیہ کو بدل کر آندھرا یونیورسٹی بنا دیا گیا۔ اردو صحافت کے لئے یہ وقت ایسا ہی تھا جیسا غدر کے وقت آیا تھا لیکن اردو زبان چونکہ بڑی سخت زبان ہے۔ اس لئے ماحول کی ناموافقیت کے باوجود نہ صرف زندہ رہی بلکہ آہستہ آہستہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔ پاکستان سے بہت سے صحافی اور اردو خواں ہندوستان آگئے یہ لوگ اردو کے

شیدائی تھے۔طرح طرح کی تکالیف جھیلنے کے باوجود اردو سے ان کی محبت میں کمی واقع نہ ہوئی چنانچہ آہستہ آہستہ پرانے اخبار جاری کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہوا اور دھیرے دھیرے پھر ماحول بنتا چلا گیا۔''ملاپ'' اور''پرتاب'' نے دہلی میں پھر قدم جمائے ۔جالندھر میں''ہند سماچار'' نے اردو کی مشعل روشن کی ملاپ حیدرآباد سے نکلنے لگا۔دکن سے ایک اور اخبار''رہبرِ دکن'' نمودار ہوا کانگریس نے بھی قوم پرست اخبار''امروز'' جاری کیا۔سید اُنیس الرحمٰن نے''شیب'' جاری کیا جو دو سال نکل کر بند ہو گیا لیکن''سیاست'' جو اس کے ساتھ ہی نکلا تھا ابھی تک صرف موجود ہی نہیں بلکہ لگا تار ترقی بھی کر رہا ہے۔آزادی کے بعد ملک کی دوسری ریاستوں سے بھی نئے اخبار جاری کئے گیے ۔ریاست جموں وکشمیر سے بھی نئے اخبار جاری کئے گئے ان میں''خدمت'' سرینگر''قومی آواز'' جموں''اجالا'' جموں''سندیش'' شرڈوگر جموں خصوصاً قابل ذکر ہیں دھیرے دھیرے روزناموں اور ہفتہ وار اخباروں کی تعداد بڑھتی گئی اور اس وقت ریاست سے چھوٹے بڑے کم سے کم تین سو اخبار نکلتے ہیں۔

مندرجہ بالا تصریحات کے باوجود یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ مالی مشکلات کی وجہ سے ملک سے نکلنے والے ایسے اردو اخباروں کی تعداد بہت کم ہے جنہیں معیاری اور دیدۂ زیب اخباروں کی صف میں رکھا جاتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ارتقا کی وجہ سے مواصلاتی نظام میں اتنی ترقی ہوئی ہے کہ آج کوئی اخبار اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک اسے Intenet E-Mail کی سہولیات حاصل نہ ہوں اور اردو والوں کے ہاں یہ سہولیات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پھر بھی ایک خوش آئیند پہلو یہ ہے کہ انگریزی صحافت کی طرح اردو والوں کے ہاں بھی یہ احساس بڑھتا جا رہا ہے کہ ترقی کے لئے ضروری ہے جدید سائنسی ایجادات سے استفادہ کیا جائے ۔امید کی جاتی ہے کہ اردو اخبار بھی معیار کے اعتبار سے اتنے ہی اچھے ہو جائیں گے جتنے بین الاقومی سطح پر نکلنے والے انگریزی اخبار ہیں۔

7.4 امتحانی سوالات:

---

۱) اردو صحافت کے آغاز وارتقا پر روشنی ڈالیں۔

۲) اردو صحافت کی ابتدا کے متعلق دئے گئے دعوں اور دلیلوں پر بحث کیجئے۔

۳) محققین اور مورخین کی آراؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ اردو کا پہلا اخبار کسے تسلیم کرتے ہیں، وضاحت کیجئے؟

اکائی نمبر 8: سیدالاخبارر،فواہدالناظر،دہلی اردو اخبار

8.1 تعارف

8.2 ہدف

8.3 سیدالخبار،فواہدالناظر،دہلی اردواخبار

8.4 امتحانی سوالات

8.5 امدادی کتب

8.1 تعارف:

''سیدالخبار'' سرسید احمد خان کے برادرِ اکبر سید محمد خان مرحوم نے 1837ء میں دہلی سے جاری کیا۔اس کی ادارت سید الغفور کرتے تھے۔سید محمد خان کے انتقال کے بعد سرسید احمد خان نے اس اخبار کو خود شائع کرنے کی کوشش کی اس ضمن میں انھوں نے ایک مطبع قائم کیا جس سے سرسید احمد خان کی کئی کتابیں بھی شائع ہوئیں۔ چند برس ہی یہ اخبار شائع ہوتا رہا۔بلآخر 1849ء میں بعض وجوہات کے سبب یہ اخبار بند ہوگیا۔''فواہدالناظرین'' دہلی کالج کے مایہ ناز استاد ماسٹر رام چندر نے 1845ء میں پندرہ روزہ رسالہ نما اخبار کی صورت میں جاری کیا۔یہ اخبار ''دہلی اردو اخبار'' کے ایڈیٹر محمد باقر کے مطبع خانہ سے شائع ہوا۔اس کی ادارت خود ماسٹر رام چندر کرتے تھے۔اس رسالہ نما اخبار میں مختلف علوم وفنون پر مبنی مضامین شائع ہوتے تھے۔''دہلی اردو اخبار'' مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر نے 1837ء میں دہلی سے جاری کیا۔اس اخبار کو دہلی کا پہلا اردو اخبار ہونے کا شرف حاصل ہے۔اس اخبار کے ذریعہ اس عہد کے سیاسی

حالات کے علاوہ علمی وادبی سرگرمیوں کا حال بھی بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ یہ اخبار بہادر شاہ ظفر کا حمایتی اور انگریزوں کا مخالف تھا۔ اس ضمن میں انگریزوں نے مولوی محمد باقر کو شہید کر دیا۔ مولوی محمد باقر کی شہادت کے ساتھ ہی یہ اخبار دم توڑنے لگا۔ 13 ستمبر 1857ء کو یہ اخبار ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

8.2 ہدف:

اس اکائی کا ہدف طلباء کو اردو کے تین مشہور زمانہ اخبار سید الاخبار، فوائد الناظرین اور دہلی اردو اخبار کی سرگرمیوں سے متعارف کرانا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بتانے کی کوشش بھی کی گئی ہے کہ کس طرح ان مذکورہ اخبارات نے وقتی خبروں کے علاوہ علمی وادبی خدمات بھی انجام دیں جو بعد میں شائع ہونے والے اخبارات کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئیں۔

8.3 سید الاخبار، فوائد الناظر اور دہلی اردو اخبار

دہلی سے 1837ء میں اردو کا ایک اہم اخبار جاری ہوا جس کا نام ''سید الاخبار'' تھا۔ اخبار کو سر سید احمد کے بڑے بھائی سید محمد خان مرحوم نے جاری کیا تھا۔ جو سید الغفور کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ مولانا حالؔی نے حیات جاوید اور آثار الصنادید کا تذکرہ کرتے ہوئے ضمناً ''سید الاخبار'' کا بھی ذکر کیا ہے۔ ''اسی زمانے میں جبکہ وہ (سر سید) دہلی میں مقیم تھے ان کو عمارات شہر اور نوائے شہر کی تحقیقات کا شوق ہوا اس کا سبب یہ تھا کہ ان کی آمدنی گھر کے اخراجات کو مشکل سے پوری کرتی تھی۔ ان کے بڑے بھائی کا انتقال ہو چکا تھا۔ جس سے سو روپئے ماہوار کی آمدنی کم ہو چکی تھی قلعے کی تنخواہیں تقریباً بند ہو گئیں تھیں۔ باپ کی ملکیت بھی بہ سبب حسین حیات ہونے کے ضبط ہو گئی تھی۔ کرایہ کی آمدنی بہت قلیل تھی۔ صرف سر سید کی تنخواہ کے ماہوار سو روپئے تھے۔ جو سارے کنبے کا خرچ تھا۔ سر سید ابتداء سے نہایت فراخ طبع، حوصلہ مند اور کشادہ دل تھے خرچ کی تنگی سے اکثر پریشان رہتے تھے۔ لہٰذا ان کو یہ خیال ہوا کہ کسی تدبیر سے تنگی رفع ہو ''سید الاخبار'' جو ان کے بڑے بھائی کا جاری کیا ہوا اخبار تھا کچھ تو اس کو ترقی دینا چاہئے اور کچھ عمارات دہلی کے حالات

ایک کتاب کی صورت میں جمع کر کے شائع کرنے کا ارادہ کیا۔

سرسید نے ''سید الاخبار'' کا اہتمام اگرچہ برائے نام ایک اور شخص کے سپرد کر رکھا تھا مگر اس کیلئے زیادہ مضامین سرسید خود لکھا کرتے تھے لیکن یہ اخبار ایک مدت تک جاری رہ کر بند ہو گیا تھا۔ کسی حوالے سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ اخبار جاری کب ہوا لیکن بعض محققین کا یہ خیال ہے کہ یہ اخبار 1837ء میں جاری ہوا جو کسی طرح سے بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ سرکاری رپورٹوں کے مطابق اس کا سنہ اجراء 1841ء قرار پاتا ہے۔

سرسید احمد خان نے 1841ء میں جب ''سید الاخبار'' جاری کرنے کا ارادہ کیا تو ایک لتھوگرافک پریس بھی قائم کیا اس پریس میں صرف ''سید الاخبار'' شائع نہیں ہوتا تھا بلکہ متقدمین اور ہمعصر علمائے اکرام اور شعرائے نامدار کی تصانیف بھی چھپتی تھیں، مرزا غالب کے اردو دیوان کا پہلا ایڈیشن اسی پریس سے شائع ہوا تھا۔ ان شواہد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اخبار کے ساتھ ساتھ پریس کے قیام کی وجہ سے اس اخبار نے ایک ادارے کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ سرسید کی بہت سی کتابیں اسی ادارے سے شائع ہوئی۔ سرسید احمد خان نے جب 1841ء میں سید الاخبار جاری کیا تو اس کی ادارت سید عبدالغفور کے سپرد ہوئی کچھ برسوں تک اس اخبار کی ادارت کے فرائض بحسن وخوبی سے انجام دیتے رہے لیکن پھر آہستہ آہستہ یہ اخبار تنزل کا شکار ہو گیا اور سرسید کے دہلی میں مقیم رہنے کے باوجود بھی اس کی حالت نہ سنبھل سکی اور آخر کار 1849ء میں یہ اخبار بند ہو گیا۔

اس اخبار کی فاعلوں کی ورق گردانی سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اس اخبار نے بھی خبریں شائع کرنے اور ملک کے حالات سے متعلق معلومات فراہم کرنے کے سلسلے میں وہی راستہ اپنایا جو اس وقت کے دوسرے اخبار اپنا رہے تھے۔ خبروں کے علاوہ اس اخبار میں علمی ادبی سرگرمیوں کے بارے میں بھی معلومات فراہم کی جاتی تھیں۔ زبان وبیان کے اعتبار سے اس اخبار کا مرتبہ خاصا بلند تھا۔ سادہ نثر کو عام کرنے میں اس اخبار کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

فوائد الناظرین

ماسٹر رام چندر کا نام محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ قدیم دہلی کالج کے مایہ ناز اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ اور اپنی علمی وادبی سرگرمیوں کے سبب انیسویں صدی کی ممتاز شخصیات میں ایک منفرد اور اہم مقام رکھتے ہیں۔ آپ نے صرف سائنس، انگریزی اور ریاضیات میں ہی ماہرین فن سے خراج تحسین حاصل نہ کیا بلکہ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعے بھی اپنے ملک اور قوم کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ مغربی علوم وفنون کا ذوق عام کرنے اور شعور

انسانی کو بیدار کرنے کے لئے آپ نے 22 مارچ 1845ء کو ''فواہدلناظرین'' کے نام سے ایک پندرہ روزہ رسالہ نما اخبار جاری کیا۔ یہ اخبار بھی دہلی اردو اخبار کے ایڈیٹر محمد باقر کے گھر اور پریس سے شائع ہوکر نکلنے لگا اور یہ اخبار ستمبر 1845ء تک ''دہلی اردو اخبار'' کے ضمیمے کے طور پر نکلتا رہا۔ 4 اکتوبر 1846ء سے اس اخبار کے آخری صفحے پر ماسٹر رام چندر کا نام چھپنے لگا۔ یہ صرف کاغذی کارروائی تھی ورنہ شروع ہی سے یہ اخبار ماسٹر رام چندر کی ادارت میں نکلتا تھا۔ اور انہیں اس سلسلے میں کالج کے سبھی اساتذہ اور طلبہ کا تعاون حاصل تھا۔ ''فواہد الناظرین'' ہمعصر رسائل و اخبارات سے مختلف علمی مجلّہ تھا۔ جس کا بنیادی مقصد خالص علمی احیا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں ماسٹر رام چندر خود لکھتے ہیں۔

> ''پرچہ'' فواہدالناظرین'' کا واسطے فائدہ ان اشخاص کے جاری کیا گیا ہے جو واقفیت علوم وفنون نہیں رکھتے ہیں اور ان کے لئے جنہوں نے مدرسہ سرکاری میں کسی اور جائے علوم حکمیہ اور فنون سے واقفیت حاصل کی ہے۔ بس اب لازم ہے کہ اس پرچے میں ایسے ایسے مضامین درج کئے جائیں جوان ناواقف آدمیوں کی سمجھ میں آجائیں۔''

لیکن ماسٹر رام چندر جی کی ان کوششوں کے باوجود اس پرچے کے قارئین کا حلقہ بہت محدود رہا۔ چنانچہ وہ خود یکم نومبر 1848ء کے شمارے میں لکھتے ہیں ''واضح ہو کہ جب پرچہ ''فواہدالناظرین'' جاری ہوا تھا اس وقت اس کی یہی رائے تھی کہ سوائے طبیات وریاضیات کے اور کوئی بات پرچہ مذکورہ میں نہ چھپے چنانچہ ایسا ہی مدت تک عمل میں آیا لیکن اس عرصے میں ہر طرف سے ہی فریاد سنی کہ مضامین پرچہ ''فواہدلناظرین'' کے کسی کی سمجھ میں نہیں آتے چنانچہ علوم عصریہ سے مناسبت پیدا کرنے اور علوم جدید کا ذوق عام کرنے کے لئے خالص علمی مقالات کو صرف نظر کر کے دوسرے موضوعات سے بحث کرنا بھی لازمی ہوگیا ہے'' چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس اخبار کے صفحات کو چار سے آٹھ کر دیا گیا۔ اور اس اخبار میں طرح طرح کے مضامین شائع ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی تخلیقات بھی شائع ہونے لگیں 22 مارچ 1847ء کے شمارے میں بہادر شاہ ظفر کی غزل بھی چھاپی گئی۔ اس رسالے کے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جو بھی مضمون شائع ہوتے تھے ان کا تعلق اخلاق واصلاح، سیاسی، سماجی ومعاشی حالات اور سائنسی معلومات وغیرہ سے ہوتا تھا۔ اس اخبار کے اوپر ایک عنوان دیا رہتا تھا اور نیچے اس عنوان کے متعلق ساری

جانکاری درج کی جاتی تھی۔مثلاً سائنسی مضامین کے عنوان سے ساری سائنسی معلومات درج کردی جاتی تھی۔اس طرح اخلاقی واصلاحی مضامین کا عنوان دے کر ساری معلومات درج کردی جاتی تھی۔زبان وبیان کے اعتبار سے بھی یہ اخبار اپنے زمانے کا ایک اہم اخبار تھا۔آسان زبان میں مشکل سے مشکل مضامین کو درج کردیا جاتا تھا جس سے اردو نثر کو عام ہونے میں خاصی مدد ملی۔

8.4 نمونہ برائے امتحانی سوالات:

---

۱) ''سیدالاخبار'' کی خدمات پر اپنے تاثرات قلم بند کیجئے۔
۲) فوائدالناظرین کا تعارف پیش کیجئے۔
۳) دہلی اردو اخبار کی سرگرمیوں کے متعلق اپنی رائے قلم بند کیجئے؟

8.5 امدادی کتب:

---

۱) اردو صحافت۔مرتب انور علی دہلوی
۲) اردو صحافت کا سفر۔گربچن سنگھ
۳) اردو صحافت سمت ورفتار۔ڈاکٹر اعجاز حسین شاہ

اکائی نمبر9: 1857ء کے دوران اردو صحافت

9.1 تعارف

9.2 ہدف

9.3 1857ء کے دوران اردو صحافت

9.4 امتحانی سوالات

9.5 امدادی کتب

9.1 تعارف:

پہلی جنگ آزادی (1857) ءکو جلا بخشنے اور اِسے ایک نئی سمت عطا کرنے میں اردو صحافت نے جو کردار ادا کیا وہ نا قابل فراموش ہے۔اس ضمن میں ممتاز صحافی اور ادیب جمنا داس اختر نے اپنے ایک تحقیقی وتنقیدی مضمون جو ماہنامہ ''آج کل دہلی'' اردو صحافت نمبر'' میں شائع ہوا تھا میں لکھتے ہیں کہ جنگ آزادی میں اردو صحافت کا رول بڑا اہم رہا ہے۔اس عہد کے ممتاز صحافی جو جنگِ آزادی کے پہلے شہید صحافی رہے اور اُن کے فرزند مولوی محمد حسین آزاد جو خود بھی اخبار نویس تھے انھیں انگریزوں نے اشتہاری مفرور قرار دے کر گرفتاری کے لیے پانچ سو روپے کے انعام کا اعلان کیا تھا۔تحریک آزادی کے سلسلے میں جن صحافیوں اور اخبارات نے نمایاں کردار کیا ان میں مولوی جمیل الدین ایڈیٹر ''صادق الخبار''، منشی نول کشور ایڈیٹر ''اودھ اخبار'' مولانا محمد اسماعیل ''سائنٹفک سوسائٹی'' کے ادارتی رکن، ''خیرِ خدا خلق'' کے منشی ایودھیا پرشار، جلوہ طور میرٹھ'' کے سید ظہر الدین طور، حسرت موہانی مدیر ''اردو معلیٰ''، منشی محبوب عالم ایڈیٹر ''پیسہ'' سردار

امر سنگھ ایڈیٹر ''شہر پنجاب''، ''الہلال'' اور ''البلاغ'' کے مولانا آزاد کے علاوہ محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان، سید حبیب، پنڈت میلا رام، شورش کاشمیری، منشی گوپی ناتھ اور مولانا امداد صابری وغیرہ نے بڑی تگ و دو سے اپنی صحافتی صلاحیتوں کو پہلی جنگِ آزادی کی تحریک کے لیے وقف کیا اور طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کیں۔ ان میں سے بعض نے قید و بند کی صعوبتیں بھی دیکھی۔

9.2 ہدف:

اس اکائی کا مقصد طلباً و طالبات کو ہندوستان کی پہلی جنگِ آزادی کے دوران اردو صحافت کی خدمات سے آشنا کروانا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بتانے کی کوشش بھی کی گئی ہے کہ اُس دور میں کون کون سے صحافی سرگرم تھے اور کون کون سے اخبارات اپنا جلوہ دِکھا رہے تھے۔

9.3 1857ء کے دوران اردو صحافت

1857ء کا غدر ایک ایسا طوفان تھا جس نے ہندوستانیوں کی زندگی میں انقلاب انگیز تبدیلیاں رونما کیں۔ اس ہنگامے کے ختم ہونے کے ساتھ ہی ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا سورج ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان برطانوی سلطنت کا حصہ بنا اور انگریز ہندوستانیوں کے مقدر کے مالک بن گئے۔ غدر میں جسے آزادی کی پہلی جنگ قرار دیا جاتا ہے ہندوستانیوں کو شکست ہوئی اقتدار انگریزوں نے سنبھال لیا اور ہندوستانی غلامی کی زد میں آ گئے لیکن یہ غلامی چند برکتیں اپنے ساتھ لے کے آئی۔ مثلاً ہندوستانیوں کو یورپی علوم سے روشناس کرانے کی ذمہ داری برائے راست برطانوی حکومت پر آن پڑی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں نئے علوم کے دروازے کھل گئے۔ اس پیش رفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ صدیوں سے جاگیردارانہ نظام میں کھیلے جا رہے ہندوستانیوں کو ایک نئے سیاسی اور سماجی ماحول میں جینے کا موقع ہاتھ آیا اور اس طرح ان تبدیلیوں کے لئے راہ ہموار ہو گئی جنہوں نے ہماری زندگی میں جدید دور کا آغاز کیا۔

غدر کے مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات ہندوستانیوں کی زندگی کے ہر شعبے پر مرتب ہوئے اور صحافت بھی اس اثر سے محفوظ نہ رہ سکی چنانچہ غدر کے ہنگاموں کی وجہ سے اردو کے اخبار بند ہو گئے اردو صحافت نے چونکہ غدر کے زمانے میں آزادی کے متوالوں کا بھرپور ساتھ دیا اور انگریز اس سے خوش نہیں تھے۔ چنانچہ 1857ء کے ہنگامے ختم ہوئے جب داروگیر کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کا سب سے زیادہ وار اردو اخباروں پر ہوا۔ بہت سے اخبار ضبط کر لئے گئے۔ متعدد صحافیوں کو بغاوت کے الزام میں یا تو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا یا پھر عمر قید کی سزا دے کر کالے پانی روانہ کر دیا گیا۔ ان حالات میں اُردو کے بہت کم اخبار ایسے تھے جن میں زندہ رہنے کا حوصلہ تھا ایسے اخباروں میں کوہِ نور کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ یہ اخبار 1857ء میں پنجاب کے انگریز حاکموں کی سرپرستی میں نکلنا شروع ہوا اور انگریزوں کا کٹر حامی ہونے کے باوجود بہت معیاری اور وسیع المشرب تھا یہ اخبار لاہور سے نکلتا تھا۔ اور اس کے پہلے ایڈیٹر منشی ہرسخ لال تھے۔ جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس اخبار کی پالیسی سے بیزار ہو کر اس سے علیحدہ ہو گئے۔ اور اس کے بعد انہوں نے اپنا ایک حریت پسند اخبار جاری کیا۔ ان کے بعد اس اخبار کے اور بھی بہت سے نامور لوگ ایڈیٹر رہے۔ جن میں منشی نولکشور بھی تھے۔ یہ وہی منشی نولکشور ہیں جنہوں نے غدر کے بعد لکھنؤ میں اپنا عظیم الشان پریس قائم کیا تھا۔ جس سے اردو، فارسی ،عربی اور ہندی کی مایہ ناز کتابیں شائع ہوئیں۔ اسی پریس سے اردو اخبار بھی نکلا۔ جو پہلے ہفتہ وار تھا۔ اور پھر روزنامہ ہوا۔ اور ایک مدت قوم کی خدمت انجام دیتا رہا۔ کوہِ نور کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے غدر کے بعد کے زمانے میں انگریزوں کی حمایت کی لیکن غدر کے بعد انگریزوں اور ہندستانیوں کے درمیان ہونے والے معرکوں کی پکڑ دھکڑ املا کی ضبط مکانوں کے انہدم مقدمات اور سزاؤں کی خبریں بڑی تیزی سے شائع کیں۔ یہ اخبار انگریزوں کا حمایتی ضرور تھا لیکن اس نے واقعات کو چھپانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اسی لئے یہ اخبار غدر کے بعد کی تاریخ کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے۔

اردو کا پہلا اخبار روزنامہ گائیڈ بھی اسی زمانے میں جاری ہوا اسے خان بہادر مولوی کبیر الدین نے نکالا تھا۔ یہ انگریزوں کا خوش آمد یہ اخبار تھا۔ اس لئے اس نے کوئی خاص قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دیا۔ ان ہی دنوں میں لاہور سے اخبار عام نکلا جس کی جگہ بعد میں پیسہ نے لے لی۔ یہ اخبار 1924ء میں بند ہو گیا۔ 1857ء کے ہنگامے کے دوران جہاں بہت سے اردو اخبار بند ہو گئے وہاں کئی نئے اخبار بھی جاری ہوئے۔ جنہوں نے نئے دور کے تقاضوں کو ملحوظ

رکھتے ہوئے بھی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ ایسے اخباروں میں سب سے اہم اخبار سرسید احمد خان کا تہذیب الخلاق تھا یہ غدر کے بعد جاری ہوا اور اس نے اپنے پڑھنے والوں کو جدید علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرنے اور انگریزی زبان پڑھنے اور انگریزی حکومت سے گہری وابستگی کرنے کا درس دیا۔ مسلمانوں کو پرانے خیالات سے نکالنا اس کا بنیادی مقصد تھا۔

یہاں اس بات کو بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ 1843ء کے دوران اردو اخباروں نے نشاۃ الثانیہ کی تحریک جس کا آغاز سرسید احمد خان کی قیادت میں ہوا تھا۔ کو ممکن بنانے میں قابل قدر کردار ادا کیا۔ قوم کو دنیا میں ہونے والے سیاسی سماجی ادبی اور سائنسی انقلابات سے روشناس کر کے نہ صرف جہالت کے اندھیرے سے نکالا بلکہ روشن خیالی کے جوہر سے بھی مزین کیا اس لئے یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ نشاۃ الثانیہ کے ذریعے روشن خیالی کی جو روایات عام ہو رہی تھیں اگر اردو اخباروں نے ان کا ساتھ دیا ہوتا تو ہرگز کامیاب نہ ہوتے۔

9.4 امتحانی سوالات:

---

۱) 1857ء کے دوران اردو صحافت کی خدمات پر تبصرہ کیجئے۔

۲) 1857ء کے دوران کون کون سے اخبارات شائع ہوتے تھے وضاحت کیجئے؟

4.5 امدادی کتب

---

۱) اردو صحافت۔ مرتب انور علی دہلوی

۲) اردو صحافت کا سفر۔ گربچن سنگھ

۳) اردو صحافت سمت ورفتار۔ ڈاکٹر اعجاز حسین شاہ

اکائی نمبر 10: اودھ اخبار اور اودھ پنچ

10.1 تعارف
10.2 ہدف
10.3 اودھ اخبار اور اودھ پنچ
10.4 امتحانی سوالات
10.5 امدادی کتب

10.1 تعارف:

اودھ اخبار اور اودھ پنچ اخبار اپنے عہد کے مقبول و معروف اردو اخبار رہے ہیں۔ اردو صحافت کی ترویج و ترقی میں ان دونوں اخباروں کا نمایاں کردار رہا ہے۔ اودھ اخبار 26 نومبر 1858ء میں منشی نول کشور نے لکھنؤ سے جاری کیا۔ پہلے یہ اخبار ہفت روزہ تھا۔ 1874ء میں یہ روزنامہ کے طور پر شائع ہونے لگا۔ مولوی غلام محمد خان تپش، مولوی احمد حسن شوکت، عبدالحلیم شرر، سید امجد علی، پنڈت رتن ناتھ سرشار اور مرزا حیرت دہلوی جیسی معتبر شخصیات اس اخبار سے وابستہ رہیں۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کا ضخیم ناول ''فسانہ آزاد'' اسی اخبار میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ 7 جنوری 1877ء کو لکھنؤ سے جس تاریخی طنزیہ و مزاحیہ اخبار کا اجرا ہوا وہ اخبار اردو دنیا میں ''اودھ پنچ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے مالک اور ایڈیٹر منشی سجاد حسین تھے۔ اس اخبار نے اردو ادب میں طنز و مزاح کی راہوں کو وسعت دی اور پرانی روشوں کے ساتھ ایک الگ راستے پر چلنے کی ابتداء کی۔

''اودھ اخبار'' لکھنؤ سے نکلنے والے اخباروں میں ایک اہم اخبار تھا۔ یہ اخبار 1858ء کو جاری ہوا تھا اس کی تائید علامہ کیفی نے بھی اپنے ایک مضمون میں کی ہے جو رسالہ اردو اپریل 1935ء میں شائع ہوا اس اخبار کی جتنی ذی علم اور معروف ہستیاں ایڈیٹر ہوئیں اردو کے کسی اور دوسرے اخبار کو نصیب نہیں ہوئیں۔ اس اخبار کے ساتھ اس وقت کے مشہور ادیب جوالہ پرشاد، مولانا عبدالحلیم شرر پنڈت رتن ناتھ سرشار، جالب دہلوی، یگانہ چنگیزی، شوکت تھانوی، مرزا محمد عسکری، اور پیارے لال شاکر وغیرہ قابل ذکر ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کے دور کا کوئی دوسرا اخبار اس کا ہم پلہ نہیں تھا۔ یہ اخبار لکھنؤ کے محلّہ حضرت گنج سے نکلنا شروع ہوا۔ پہلے ہفتہ وار اخبار کے طور پر سولہ سال تک نکلتا رہا پھر ہفتے میں دوبار پھر تین بار نکلا۔ 1876ء میں ہر دوسرے روز شائع ہونے لگا۔ اور 1877ء میں رونامہ ہوگیا۔ ہفتہ وار اخبار کا سالانہ چندہ ساٹھ روپئے اور روزانہ کا 30 روپئے تھا پہلے یہ چار صفحوں پر پھر چودہ صفحوں پر اور پھر سولہ صفحوں پر اور پھر 48 صفحات پر مشتمل چھپتا رہا اس اخبار میں ابتداء میں کچھ مضامین دیوناگری میں بھی چھپے تھے۔ ابتداء میں اس اخبار کی کوئی پالیسی نہیں تھی صرف ان خبروں کا مجموعہ ہوتا۔ جو انگریزی اخباروں سے ترجمہ کر کے اس میں شائع کر دئے جاتے پھر اس نے اپنی پالیسی مرتب کی جو کافی معیاری تھی یعنی ہندوستانی ادب کی خدمت کرنا تباہ کن اور ضرر رساں رسم ورواج سے قوم کو بچانا اصلاحی اور ادبی انجمنوں کا پروپگنڈہ کرنا یہ اپنی اس پالیسی پر مضبوطی سے قائم رہا۔ یہ اخبار اپنے عہد کی ادبی تمدنی معاشرتی اور سیاسی تاریخ کی مستند اور باوقار دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں اس عہد کے ایسے نادر واقعات ملتے ہیں جن سے موجودہ تاریخیں بالکل خالی ہیں اس اخبار میں ادبی مضامین کے علاوہ تاریخی اور جغرافیائی مضامین کے ساتھ ساتھ اور اعلیٰ پایہ کی فارسی اور اردو کی نظمیں کتابوں اور اخباروں پر بے لاگ تبصرے کئے جاتے تھے اس اخبار کا ایک ضمیمہ یکم ستمبر 1865ء میں کانپور گزٹ کے نام سے جاری ہوا تھا۔ جس کے ایڈیٹر مولوی اسمٰعیل صاحب تھے اور یہ اخبار بعد میں 1860ء میں بند ہوگیا۔

اس اخبار کا انداز تحریر سنجیدہ اور متعین تھا اس اخبار نے حکومت کے بڑے بڑے حاکموں کو بھی نہیں بخشا۔ یوں تو بظاہر ''اودھ اخبار'' انگریزوں کا مداح تھا لیکن ان کی غلطیوں کی بھی ایسی پکڑ کرتا کہ ان کے پاس بھی اس کا کوئی جواب نہ ہوتا تھا یورپین عورتوں کی بے حیائی اور بے شرمی کے واقعات پر مضامین شائع کرتا اور اپنی قوم کو اس سے بچنے کی تلقین کرتا ''اودھ اخبار'' جہاں انگریزوں کی بدانتظامی کی گرفت کرتا وہاں وہ ہندوستان کو بھی سامنے لاتا اور ان پر کڑی

تنقید کرتا۔ 1857ء کے ہنگامے میں جن لوگوں نے مادروطن کے لئے قربانیاں دیں ان کے نام تک ہماری تاریخوں میں نہیں ملتے لیکن اودھ اخبار نے ان جاں نثاروں پر مضامین شائع کر کے ان کی خدمات اور قربانیوں کو خراج عقیدت پیش کیا۔ 1857ء کے شہدا کی تاریخ اگر مرتب کرنی مطلوب ہو تو ''اودھ اخبار'' کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس دور کے دیگر اخبارات میں اس اخبار کی اہمیت اس اعتبار سے بھی زیادہ ہے کہ اس اخبار میں اپنے دور کی اردو تاریخ بھی محفوظ ہے۔ اس دور کے اکثر شعراء اور ادباء کے بارے میں نادر معلومات اس اخبار کی فاعلوں میں موجود ہیں اس لئے کسی بھی شاعر یا ادیب کی حیات اور وفات کے بارے میں کچھ جاننا ہو تو ''اودھ اخبار'' اٹھا لیجئے سب کچھ مل جائے گا۔ میر اُنیس، مرزا دبیر، منشی محمد فداح علی، سید عابد علی عابد، مولانا حکیم محمد لطف اللہ، مولوی محمد حسین فائز بنارسی اور دوسرے شعراء نے وقتاً فوقتاً جو تاریخ وفات کہیں وہ اس اخبار کے صفحات میں موجود ہیں یہی نہیں بلکہ واجد علی شاہ اور لکھنؤ کے دوسرے نوابوں کے بارے میں بھی اہم معلومات ''اودھ اخبار'' میں محفوظ ہیں۔ اس زمانے میں جتنے نئے اخبار جاری ہوئے ان کے متعلق اس میں تمام معلومات محفوظ ہیں۔

10.2 ہدف:

اس اکائی کا مقصد طلباء کو اپنے عہد کے مشہور زمانہ اخبار ''اودھ اخبار'' اور ''اودھ پنچ'' اخبار کی خدمات سے روشناس کرانا ہے۔ یہ اخبارات کب شائع ہوئے اور انہوں نے وقتی خبروں کے ساتھ ساتھ اردو ادب کی کیا خدمات انجام دیں علاوہ ازیں وہ کون سی نامور شخصیات تھیں جو ان مذکورہ اخبارات سے وابستہ رہیں، سے آگہی کرانا اس اکائی کا ہدف ہے۔

10.3 اودھ اخبار اور اودھ پنچ

اردو صحافت کی ترویج و ترقی میں ''اودھ اخبار'' کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کے مالک منشی نول کشور تھے۔ منشی نول کشور نے 1858ء میں کوٹھی مہاراجہ مان سنگھ بہادر لکھنو میں ایک مطبع خانہ قائم کیا۔ اسی مطبع خانہ سے انھوں

نے 26 نومبر 1858ء میں ''اودھ اخبار'' جاری کیا ''اودھ اخبار'' کے علاوہ انھوں نے اسی مطبع خانہ سے ''اودھ ریویو'' (اردو) اور ''لکھنو ٹائمس'' (انگریزی) نامی اخبار بھی جاری کئے جن کی ملک اور بیرون ملک کافی سراہنا ہوئی۔ ان مذکورہ اخباروں میں ''اودھ اخبار'' کو امتیازی حیثیت حاصل تھی اور منشی نول کشور کی توجہ کا مرکز زیادہ تر یہی اخبار رہتا تھا۔ وہ اس اخبار کو معیاری اخبار کے طور پر پیش کرنا چاہتے تھے۔ اس ضمن میں انھوں نے اس اخبار کے لئے خود چند اصول متعین کئے تھے۔ مضامین کی ترتیب اور خبر کی Setting پر وہ خاص توجہ دیتے تھے۔ انھوں نے اس اخبار کو پہلے پندرہ روزہ پھر ہفتہ وار شائع کیا جو کہ ہر چار شنبہ کو شائع ہوتا تھا اس اخبار کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے سبب اِسے ہفتے میں دو بار نکالا جاتا رہا اور پھر 1877ء میں اِسے روز نامہ کر دیا گیا۔ حسن ابرار اپنے ایک مضمون ''اردو صحافت کی عہد آفرین یادگار۔ اودھ نامہ'' میں لکھتے ہیں: ''اودھ اخبار'' ابتدا میں پندرہ روزہ رہا بعد میں ہفتہ میں دو بار شائع ہونے لگا۔ اس کے بعد روز نامہ ہو گیا'' گارساں دتاسی نے اپنے ایک خطبے میں اس اخبار کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور عظمت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''یہ اخبار (اودھ اخبار) پچھلے سات سال سے نہایت کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے۔ چنانچہ اس کی ہر اشاعت پچھلی ہر اشاعتوں سے بہتر نظر آتی ہے۔ اس کی تقطیع اور صحافت کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ اخبار ہفتہ وار ہے اور ہر چار شنبہ کے روز شائع ہوتا ہے۔ شروع شروع میں اس میں صرف چار صفحے ہوا کرتے تھے اور وہ بھی چھوٹی چھوٹی تقطیع پر، پھر چھ ہوئے اور پھر سولہ اور اب اڑتالیس صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ پہلے کے مقابلے میں اس کی تقطیع بڑی ہو گئی ہے۔ میرے خیال میں اس سے زیادہ ضخیم اخبار ہندوستان بھر میں اور کوئی نہیں ہے۔''

اس اخبار کے صفحات کے سلسلے میں یہ عام رائے ہے کہ یہ اخبار 12 تا 16 صفحات پر مشتمل ہی شائع ہوتا رہا ہے۔ گارساں دتاسی کی اڑتالیس صفحات والی رائے مشکوک نظر آتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے کسی کی زبانی سُنا ہو یا پھر اس اخبار کا کوئی خصوصی نمبر اُن کی نظر سے گزرا ہو جس کے صفحات کی تعداد اڑتالیس رہی ہو۔ اس اخبار کے پندرہ

روزہ اخبار ہونے میں بھی شک پایا جاتا ہے۔ڈاکٹر اکبر حیدری اس اخبار کی فائلیں دیکھنے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ یہ اخبار کبھی پندرہ روزہ رہا ہی نہیں۔البتہ حسن ابرار کی پندرہ روزہ اور گارساں دتاسی کی اڑتالیس صفحات کی رائے کے متعلق وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ درست ہے یا نہیں جب تک کوئی مزید تحقیق سامنے نہیں آتی۔''اودھ اخبار'' بڑی تقطیع کے سائز پر سہ کالمی ہوتا تھا۔اس کے صفحہ اول کی تزئین کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔شروع شروع میں اس پر اشتہار ہوا کرتا تھا۔ بعد میں اس کی یہ ترتیب تبدیل کر دی گئی۔اس اخبار کی مقصدیت وافادیت کے متعلق صفحہ اول پر مینجر شیو پرشاد کی تحریر چھاپے جانے لگی۔اس تحریر کے ساتھ یہ شعر بھی درج کیا جاتا تھا۔

الٰہی جلوہ برقِ تجلی دہ زبانم را
قبول خاطر موسیٰ کلاماں کن بیانم را

اس اخبار میں فقط اپنے دور کے مشہور اردو اخبارات سے ہی خبریں نہیں لی جاتیں تھیں بلکہ مشہور زمانہ انگریزی اخبارات ''انڈین ڈیلی نیوز''،''گزٹ آف انڈیا''''پائینیر'' اور''فرینڈ آف انڈیا'' سے بھی اہم خبریں اور مضامین ترجمہ کر کے شائع کئے جاتے تھے۔اس اخبار کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بہت جلد اس کی تعداد بارہ ہزار کے قریب پہنچ گئی۔ یہ اخبار صرف اپنے ملک میں ہی نہیں بلکہ بیرون ملک بھی سراہا جانے لگا۔گارساں دتاسی کو یہ اخبار مسٹر ایڈورہنری پاسر باقاعدگی سے بھیجا کرتے تھے۔منشی نول کشور نے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں اپنے نامہ نگار متعین کئے ہوئے تھے۔اس ضمن میں ملک اور بیرون ملک کی ایم ترین خبریں شائع کرنے میں''اودھ اخبار'' کو اولیت حاصل تھی۔ملک اور بیرون ملک کی اہم ترین خبروں کے علاوہ سرکاری قوانین،احکامات،ریلوے ٹائم ٹیبل اور عدالتی کارروائیوں کی اطلاعات بھی بروقت اس اخبار میں شائع ہوتی تھیں۔

منشی نول کشور نے اپنی کاوشوں سے اس اخبار کے معیار کو ہمیشہ برقرار رکھنے کے لیے مختلف ادوار میں مختلف نامور اہلِ قلم کو جوڑے رکھا۔ اِن اہلِ قلم میں عبدالحلیم شرر،پنڈت رتن ناتھ سرشار،نسیم دہلوی،یاس یگانہ،منشی امیر اُللہ تسلیم،قدر بلگرامی،مرزا حیرت دہلوی،شوکت تھانوی،امین سلونوی،منشی پریم چند،شیو پرشاد،نوبت رائے نظر اور پیارے لال شاکر وغیرہ کے نام کافی اہمیت کے حامل ہیں جنھوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے اس اخبار کے معیار کو قائم رکھا۔ یہ اخبار علمی وادبی خبروں اور مضامین کے علاوہ مطبع سے شائع ہونے والی کتب کا مشتہر بھی تھا۔اس میں سرسید کے مضامین

اور مرزا غالبؔ کے خطوط بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے تھے۔ علاوہ ازیں پنڈت رتن ناتھ سرشار کا ضخیم اور مقبول زمانہ ناول ''فسانہ آزاد'' اسی اخبار میں قسط وار شائع ہوا۔ منشی نول کشور خود بھی اس اخبار میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ یہ اخبار قومی یک جہتی، آپسی بھائی چارے اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب کا علمبردار تھا۔ ہندوں اور مسلمانوں کے تہواروں کے موقع پر خصوصی نمبر بڑی تزئین سے شائع کیا جاتا تھا۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید اپنی کتاب 'صحافت ہندو پاک' میں لکھتے ہیں:

> ''اودھ اخبار'' ایک خالص غیر فرقہ وارانہ اخبار تھا۔ بظاہر ٹیپ ٹاپ سے اور مضامین دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے مسلمانوں کا اخبار تھا۔.....اس کا کوئی خاص سیاسی منسلک نہ تھا۔ ہمیشہ دامن بچا کر چلتا تھا۔''

اردو صحافت کی روایت میں ''اودھ اخبار'' کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس اخبار کے ذریعہ منشی نول کشور نے اپنی عمر کے آخری دنوں تک اردو صحافت کی خدمات انجام دیں۔ یہ اخبار ۹۲ سال پوری آب وتاب سے منشی نول کشور کی سرپرستی میں شائع ہوتا رہا۔ آخر کار وارثانِ مطبع کے باہمی اختلافات اور نزاع کے سبب یہ اخبار 1950ء میں ہمیشہ کے لئے بند گیا۔

اردو ادب میں طنز و مزاح نگاری کی روایت کسی نہ کسی شکل میں ابتدائی زمانے سے موجود تھی لیکن اکثر و بیشتر مزاح نگاروں کی یہ کوشش پھکڑ بازی کی حد تک پہنچ جاتی تھی۔ جس سے لطف اندوز ہونا کسی بھی شریف آدمی کے بس کی بات نہیں تھی۔ شائستہ مزاح نگاری کی روایت کو یورپ میں خصوصاً انگلستان میں ایڈسن اور Swift نے فروغ دیا۔ جن کے مزاحیہ کالموں نے ساری دنیا کو متاثر کیا اردو صحافت کے ذریعے مزاحیہ کالم نگاری کی روایت کو فروغ ملا۔ جس کی داغ بیل منشی سجاد حسین نے ''اودھ پنچ'' سے 1877ء میں ڈالی 1877 میں ہندوستانی معاشرے میں نہ جانے کون سی تبدیلیاں رونما ہوئیں کہ اچانک طنز و مزاح نگاروں کا ایک قافلہ ابھر آیا اور نہ صرف انفرادی طور پر اخباروں میں کالم لکھے جانے لگے بلکہ پورا اخبار ہی اس روایت کو پروان چڑھانے کے لئے اودھ پنچ کے عنوان سے ابھر آیا۔ ''اودھ پنچ'' کے لکھنے والوں میں اس کے ایڈیٹر منشی سجاد حسین کے علاوہ تیرتھ بھون ناتھ، رتن ناتھ سرشار، مچھو بیگ ستم ظریف، جوالہ پرشاد، نواب سید احمد آزاد اور اکبر الہ آبادی قابل ذکر ہیں ان قد آور طنز مزاح نگاروں نے صحیح معنوں میں

اردو کے مزاحیہ ادب کو پایا اعتبار بخشا۔ ''اودھ پنچ'' کے بعد ہندوستان کے گوشے گوشے میں پنچ نام کے کئی اخبار نکلنے لگے۔ مثلاً پنجال پنچ، لاہور پنچ، جالندھر پنچ، بنارس پنچ، آگرہ پنچ، دکن پنچ نہ جانے کتنے پنچ اور نکلنے لگے لیکن جو مقام مشہور زمانہ اخبار اودھ پنچ کو حاصل ہوا وہ اور اخبار کسی کے حصے میں نہ آیا چھتیس برس تک متواتر اخبار ''اودھ پنچ'' نے اردو طنز و مزاح کی خدمت انجام دی اور ایسے مایہ ناز مضامین شائع کئے جو اردو کے طنز و مزاح ادب کا قابل ذکر حصہ ہیں۔ اودھ پنچ کا یہ کارنامہ کچھ کم قابل تحسین نہیں ہے کہ اس کے لکھنے والوں نے زبان کو نہ صرف آسان اور عام فہم بنایا بلکہ اس کی لطافت اور شیرنی میں بھی اضافہ کیا ہے۔ ''اودھ پنچ'' اور اس طرح کے رسالوں کی ظرافت مجموعی اعتبار سے چاہے اعلیٰ نہ ہو لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ انہوں نے طنز و ظرافت کے لئے اک مستحکم بنیاد قائم کرنے کا فریضہ انجام دیا اور ایسا ماحول پیدا کیا جو مزاحیہ کالم نگاری کے لئے نہایت ضروری تھا۔

اخبار ''اودھ پنچ'' کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے اردو والوں کے لئے ایک ایسی راہ قائم کی جس پر چل کر بعد میں کئی اخبار و رسائل ایسے نکلے جن کا بنیادی مقصد طنز و مزاح کو فروغ دینا تھا جس کی اس سے پہلے شدید کمی محسوس کی جاتی تھی۔ اس دور کی خصوصیت کچھ ایسی تھی کہ سیاسی و سماجی حالات پر برائے راست وار و ادکرنے کے بجائے طنز و مزاح کے پیرائے میں چوٹ کرنا زیادہ موثر ثابت ہوسکتا تھا چنانچہ اس دور نے بہت سے ایسے ادیب بھی پیدا کئے جو کالم نگاری کی طرف مائل ہوئے اور طنز و مزاح پر مبنی اچھا مواد یا سرمایہ اردو زبان و ادب کو دیئے گئے۔

اخبار ''اودھ پنچ'' اور اس سے وابستہ ادیبوں اور فن کاروں کی کوششوں کا نتیجہ یہ رہا کہ ان کی پیروی میں طنز و ظرافت کا قافلہ آگے بڑھتا چلا گیا اور اردو ادب میں طنز و ظرافت کا ایسا شعبہ قائم ہوتا چلا گیا جس نے اردو ادب کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ بیسویں صدی کے لکھنے والوں میں خواجہ حسن نظامی، عبدالمجید سالک، چراغ حسن حسرتؔ، مولانا ظفر علی خان، مولانا محمد علی جوہر، قاضی عبدالغفار، عبدالماجد دریابادی، میراں جی، کرشن چندر، کنیالال کپور، احمد ندیم، حاجی لق لق، ابراہیم جلیس، ابن انشاء خواجہ احمد عباس کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کی خدمات اردو ادب کے حوالے سے کافی اہمیت کی حامل ہیں۔

اکائی11: اخبار سائنٹفک سوسائٹی اور تہذیب الاخلاق

11.1 تعارف
11.2 ہدف
11.3 اخبار سائنٹفک سوسائٹی اور تہذیب الاخلاق
11.4 امتحانی سوالات
11.5 امدادی کتب

11.1 تعارف

اخبار سائنٹفک سوسائیٹی یا علی گڑھ گزٹ (Aligarh Institute Gazatte) اس کا پرانا نام سرسید گزٹ تھا۔ اِسے 3 مارچ 1866ء میں سرسید احمد خان نے علی گڑھ سے جاری کیا۔ یہ اخبار پہلے ہفت روزہ تھا بعد میں اسے سہ روزہ کر دیا گیا۔ اس اخبار میں عام طور پر صفحے میں دو کالم ہوا کرتے تھے۔ ایک کالم میں انگریزی عبارت جب کہ دوسرے کالم میں اردو عبارت ہوتی تھی۔ کچھ اہم مضامین انگریزی یا اردو میں الگ دیے جاتے تھے۔ اس مذکورہ اخبار کا اہم مقصد عوام کے خیالات اور احساسات سے حکومت کو آگاہ کرنا تھا۔ بتیس سال تک یہ اخبار باقاعدگی سے معینہ تاریخ پر تسلسل سے شائع ہوتا رہا۔

سرسید احمد خان نے انگلستان سے واپس آ کر 24 دسمبر 1870ء کو علی گڑھ سے ماہنامہ ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا۔ اس ماہنامے کا انگریزی نام ''محمڈن سوشل ریفارمر'' تھا۔ یہ ایک اصلاحی نوعیت کا ماہنامہ تھا۔ اس ماہنامے میں

تمام مضامین اردو زبان میں چھپتے تھے۔ آٹھ سے بارہ صفحات پر مبنی یہ پرچہ اُس وقت چار آنے میں فروخت ہوتا تھا۔ چھ سال اور سات ماہ شائع ہونے کے بعد 1876ء میں یہ پرچہ بند ہو گیا۔ اس عرصہ میں اس ماہنامہ میں کل دو سو چھبیس مضامین چھپے جن میں سے ایک سو بارہ مضامین خود سر سید احمد خان نے تحریر کئے تھے۔ یہ ماہنامہ 1879ء میں دوبارہ جاری ہوا لیکن تین سال اور پانچ ماہ کے بعد پھر بند ہو گیا۔ چودہ برس بعد اِسے پھر جاری کیا گیا اور تین سال کی قلیل مدت گزارنے کے بعد پھر بند ہو گیا۔ ایک طویل عرصہ کے بعد 1960ء میں اِس ماہنامہ کو ایک بار پھر جاری کیا گیا جو اب بھی پابندی کے ساتھ علی گڑھ سے شائع ہو رہا ہے۔

11.2 ہدف

اس اکائی میں سر سید احمد خان کے جاری کردہ دو مشہور ماہناموں ''سائنٹفک سوسائیٹی'' اور ''تہذیب الاخلاق'' کا تعارف پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان ماہناموں کی خدمات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان ماہناموں کے جاری کرنے کے اغراض و مقاصد پر بھی تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

11.3 اخبار سائنٹفک سوسائٹی اور تہذیب الاخلاق

اخبار ''سائنٹفک سوسائٹی'' علی گڑھ سے 30 مارچ 1866ء کو جاری ہوا۔ اس اخبار کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ کیفی نے اس اخبار کے دونوں نام اخبار سائنٹفک سوسائٹی اردو اور انگریزی نام (Aligarh Institute Gazette) لکھے ہیں۔ اس کی اصلاح کرنے یا غلط بنانے کے لئے مولوی عبدالرزاق راشد صاحب نے ایک مضمون رسالہ اردو میں شائع کیا تھا اور اس اخبار کے بارے میں انہوں نے لکھا تھا کہ علی گڑھ Institute کے نام سے 1866ء میں اخبار نہیں نکلا۔ صحیح نام اخبار سائنٹفک سوسائٹی ہے۔ راشد صاحب لکھتے ہیں کہ اس کی پہلی جلد حاجی اسمٰعیل خاں صاحب کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اخبار کا نام اخبار سائنٹفک

سوسائٹی ہے۔انہوں نے اس اخبار کی پہلی جلد تو دیکھی ہوگی لیکن ان کی نظر انگریزی جعلی حرفوں پر نہیں پڑی اگر پڑتی تو وہ ایسی غلط بات نہیں کہتے کہ 1866ء میں علی گڑھ Institute کے نام سے اخبار نہیں نکلا۔اس اخبار کی جلد اول کا شمارہ مورخہ 4 جولائی 1866 ہے جس کے ایک ٹائٹل پیج کے ابتدائی حصے میں گول دائرے میں انگریزی زبان میں The aligarh Institute Gazette لکھا ہوا ہے اور ''اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ'' اردو میں درج ہے۔ان تمام شواہد سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ'' اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ'' (The Aligarh Institute Gazette)ایک ہی اخبار کے دو نام تھے چنانچہ 1868ء کی ابتداء میں ہی یہ اخبار ہفتے میں دوبار نکلنے لگا تھا۔اس اخبار کے ایڈیٹر خود سرسید مرحوم تھے۔مولوی محمد اسمٰعیل بھی ادارے میں شامل تھے اور منشی چکھن لال بھی انگریزی اخبارات کا ترجمہ کرتے تھے۔مولوی فیض الحسن اور گنگا پرشاد اردو کتابوں کا ترجمہ کرتے تھے۔کل عملہ پانچ سو روپیہ مہینہ تھا۔مولانا حالی حیات جاوید میں اس اخبار کی پالیسی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> ''شروع شروع میں سرسید پولٹیکل معاملات پر مضامین اور نوٹ لکھتے تھے۔ اس لئے ان کی ابتدائی جلدوں کو ان کے پولٹیکل کالموں کا ایک مجموعہ کہا جاسکتا ہے۔اس اخبار کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس کا ایک کالم انگریزی میں اور ایک اردو میں ہوتا تھا اور بعض مضامین اردو میں الگ اور انگریزی میں الگ چھاپے جاتے تھے اس لئے اس سے اردو داں اور انگریزی داں طبقہ یکساں فائدہ اٹھاتے تھے۔اس کا مقصد گورنمنٹ اور انگریزوں کو ہندوستانیوں کے حالات ومعاملات اور خیالات سے آگاہ کرنا اور ہندوستانیوں کو انگریزی طرز حکومت سے آگاہ کرنا اور ان میں سیاسی خیالات اور مذاق پیدا کرنا تھا۔اس کی ابتدائی جلدوں کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگریزی خیالات کو ہندوستانی لباس میں اور ہندوستانی خیالات کو انگریزی لباس میں ظاہر کرنے اور دو قوموں کو ملانا چاہتا تھا۔''

اس میں سوشل، اخلاقی، عملی اور ہر قسم کے مضامین چھپتے تھے جب تک سرسید کی سوچ دوسروں پر مائل نہیں ہوئی

علاوہ ان لیڈنگ آرٹیکل کے جو وہ خود لکھتے تھے انگریزی اخباروں سے عمدہ عمدہ جو ہندوستان کے معاملات سے تعلق رکھتے تھے برابر ترجمہ ہوکر چھپتے رہتے تھے۔ ہندوستان کی طریق معاشرت یا تعلیم یا کسی عملی یا کسی تحریری تحقیقات کے متعلق جتنے لیکچر سوسائٹی میں دئے جاتے تھے وہ سب اس کے ذریعے شائع ہوتے تھے۔ اگرچہ اخبار ملک کی سوشل اصلاح کا ہمیشہ عمدہ ذریعہ رہا ہے۔ اول اول کئی سال تک جس قدر زمانہ حال کی نئی اصطلاحیں اس کی بدولت ہندوستانیوں میں مائل ہوتیں رہیں ہیں ان کے لحاظ سے یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ کم سے کم شمالی ہندوستان میں عام خیالات کی تبدیلی اور معلومات کی ترقی اس پرچہ کے اجراء سے شروع ہوئی۔

ایک خاص خوبی اس اخبار کی یہ تھی جو اس کو ہندوستانیوں کے تمام انگریزی اور دیسی اخباروں سے ممتاز ٹھہراتی تھی وہ یہ تھی کہ اس نے اپنے طرز تحریر میں برخلاف اپنے تمام ہمعصروں کے کبھی کسی قوم یا فرقہ یا کسی خاص شخص کی دلی آزادی روا نہیں رکھی۔ اس نے ہندوستان کی کسی قوم کی نسبت دوستی اور خیر خواہی کے خلاف کبھی ایک حرف بھی نہیں لکھا کبھی کسی ہندو یا مسلمان ریاست یا اس دور کے دوسرے اخباروں پر زہر نہیں اُگلا ہندو مسلمان کے مذہبی جھگڑوں سے ہمیشہ بے تعلق رہا اور کبھی بولا تو دونوں کو صلح آشتی کی نصیحت کی۔

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہوجاتا ہے کہ اخبار سائنٹفک علی گڑھ نے اپنے زمانے میں نہایت اہم اور تعمیری کردار ادا کیا۔ ایک طرف قوم کو نئے علوم سے آشنا کرنے کے لئے مضامین شائع کئے تو دوسری طرف ان کے مذاق کو شستہ اور اعلیٰ بنانے کے لئے حتیٰ المقدور کوشش کی۔ یہ دور قوم کے لئے خصوصاً مسلمانوں کے لئے بہت ہی مشکل دور تھا انگریزوں کے ساتھ 1857ء کے ہنگاموں کی وجہ سے بڑی ٹھنی ہوئی تھی ہندوستانیوں کو انگریز طرح طرح سے اذیتیں دے رہے تھے اور انہیں حقیر و ذلیل سمجھتے تھے۔ وہ ہندوستانیوں سے تعلقات قائم کرنے یا ملاقات کرنے کو اپنے لئے حقیر سمجھتے تھے ان حالات و واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے اس اخبار نے بھرپور کوشش کی کہ ہندوستانیوں کے نہیں انگریزوں کے دل کو صاف کیا جائے۔ اور اس مقصد کے لئے اس اخبار میں متعدد ایسے مضامین شائع کئے جن کا قوم کے ساتھ ہی ساتھ انگریزوں نے بھی خیر مقدم کیا اور نتیجے کے طور پر ان دونوں کے درمیان کشیدگی اور نفرت کم کرنے میں مدد ملی۔ اردو دنیا میں خصوصاً مسلمانوں کے بیچ نشاۃ ثانیہ یا ایک نئے دور کا آغاز کرنے میں اخبار سائنٹفک سوسائٹی کے کردار کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جسے اس دور کی کوئی بھی تاریخ فراموش نہیں کرسکتی۔ اس اخبار کی وجہ سے جہاں قوم

نے روشن خیالی تحریک شروع کی وہاں اردو زبان وادب میں نئی اصناف ادب کو جاری کرنے کا کام بھی انجام دیا گیا یہ سارا کارنامہ سرسید مرحوم کی شخصیت نے انجام دیا۔

تہذیب الاخلاق

بقول مولانا حالؔی مسلمانوں کے مذہبی خیالات کی۔ اصلاح اوران کو ترقی کی طرف مائل کرنے کے لئے سرسید نے یہ اخبار جاری کیا۔انہوں اس اخبار کو جاری کرنے کے لئے اپنے ولایت کے قیام کے دوران ہی ارادہ کرلیا تھا۔ اس کا ثبوت ہمیں اس بات سے ملتا ہے کہ اس اخبار کی پیشانی پر اس کا نام اوراپیل جس طرح چھپی ہے اس کا ٹائپ لندن سے بنوا کر ساتھ لائے تھے۔ سرسید مرحوم نے اپنے دوستوں اور حامیوں کی ایک کمیٹی قائم کی تھی جس کے ہر ممبر سے تہذیب الاخلاق کو چلانے کیلئے ساٹھ روپے سالانہ اور عام خریداری کی کم سے کم تین روپیہ سالانہ چندہ اور ڈیڑھ روپیہ موصول کا وصول کرتے تھے یہ اخبار متقاضے مضامین ہوتا تھا یعنی اگر زیادہ مضامین جمع ہو جاتے تو دو بار چھپ جاتا۔ اگر مضامین کم ہوتے تو ایک ہی بار چھپتا تھا۔ ابتداء میں یہ منشی مشتاق حسین کے اہتمام میں اور پھر حافظ محمد عبدالرزاق کی دیکھ ریکھ میں چھپتا رہا۔ اس کے ایڈیٹر خود سرسید تھے۔ یہ اخبار تاجرانہ مقاصد کے لئے نہیں بلکہ قوم کی فلاح و بہبود کے لئے اسے نکالا گیا تھا۔ اس لئے اس سے جو آمدن حاصل ہوتی تھی اسے اس کی اشاعت بڑھانے کے لئے صرف کیا جاتا تھا۔

تہذیب الاخلاق کے جاری کرنے کا اہم مقصد سرسید احمد خاں کے نزدیک مسلمان معاشرے کی مکمل اصلاح کرنا تھا اس کا اندازہ سرسید کے اس اقتباس سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ ''اس پرچے کے اجراء کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجہ کی (Civilization) یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جائے تا کہ جس حقارت سے مہذب قومیں ان کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں معزز اور مہذب قوم کہلائیں (Civilization) ایک انگریزی لفظ ہے جس کا ''تہذیب'' ہم نے ترجمہ کیا ہے مگر اسکے معنی نہایت وسیع ہیں اس سے مراد انسان کے تمام افعال ارادی، اخلاق، معاملات، معاشرت وتمدن اور طریقۂ تمدن اور اوقات اور علوم اور فنون ہنر کو اعلیٰ درجے کی عمدگی پر پہنچانا اوران کو نہایت خوش اسلوبی سے برتنا جس سے اصلی خوش اور جسمانی سکونت نصیب ہوتی ہے اور جس سے تمکین وقار اور قدر منزل حاصل کی جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے۔ ایک عیسائی مورخ ترکی یعنی روم کی سیر کے بعد اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ ترک جب تک اسلام کو نہ چھوڑیں گے مہذب نہ ہوں گے کیونکہ مذہب اسلام

انسان کی تہذیب کا مطلق قوی ہے۔عبدالعزیز خان سلطان روم کو اس بات کی تحقیقات منظور ہوئی کہ درحقیقت مذہب اسلام معانۂ تہذیب ہے یا نہیں اور چند علماء وعقلاء اور وزراء کی کونسل اس امر کی نسبت رائے لکھنے کو مقرر کی جس کا آفیسر فواد پاشا تھا۔اس کونسل نے جو رپورٹ لکھی ہے اس کے ایک اقتباس کا ترجمہ اس مقام پر لکھا جاتا ہے۔

''اسلام میں سب اچھی باتیں ہیں جو ترقی کو حاصل کرنے والی اور انسانیت وتہذیب، رحم دلی کو درجہ کمال پر پہنچانے والی ہیں مگر ہم کو اپنی بہت ساری رسومات وعادات جو کہ اگلے زمانے میں مفید تھیں مگر زمانۂ حال میں غیر مفید ہوگئیں ان کو چھوڑنا چاہیئے ۔ ہماری سمجھ میں فواد پاشا کی رائے اور پچھلے انگریزی مورخ کا بیان بالکل درست ہے کہ مسلمانوں میں عقیدے پرانے تھے۔یہودیوں کے اور بہت سی باتیں خیالات اور اعتقادات رومن کیتھولک جو ایک قدیمی عیسائی فرقہ ہے اور جو مدت سے عرب میں موجود تھا اور بے پناہ اس میں عادتیں ہندوؤں کی مل گئیں تھیں اور مزید بہت سی باتیں خود ہمارے عقیدوں یا ہماری غلط فہمیوں نے پیدا کرلیں تھیں جو درحقیقت مذہب اسلام میں نہیں ہیں اور اسی سبب سے مسلمانوں کی کمزور حالت ہوگئی تھی اور یہی باعث کہ غیر قومیں ہماری اس ہیئت مجموعی پر خیال کر اس مجموعہ کو مذہب اسلام قرار دیتی ہیں اور اس کی نسبت نہایت حقارت کی رائے دیتی ہیں بس کیا اب یہ غربت کی بات نہیں ہے کہ ہم غیر قوموں سے حقارت کے الفاظ اپنی نسبت اور اپنے تہذیب وشائستگی کی طرف متوجہ نہ ہوئے یہی ہمارا مطلب ہندوستان کے مسلمانوں سے ہے اور اسی مقصد کے لئے یہ پرچہ جاری کرتے ہیں۔تاکہ بعد ذرا اس پرچے کی جہاں تک ہم سے ہوسکے ان کے دین ودنیا کی بھلائی میں کوشش کریں اور جو نقصان ہم میں ہیں گو ہم کو نہ دکھائی دیتے ہوں مگر غیر قومیں ان کو بخوبی دیکھتی ہیں ان سے ان کو نجات دلائیں۔''

تعلیم کے بارے میں سرسید مرحوم کا نظریہ تھا کہ علوم دینی کے ساتھ ساتھ دنیاوی بھی حاصل کرنے چاہئے کسی کی مذمت یا کسی کی تعلیم پر پابندی نہیں لگنی چاہئے اور لکیر کا فقیر بننا بھی درست نہیں ہے۔ چنانچہ اپنے ایک شمارے میں مذہب اور عام تعلیم کے بارے میں سے لکھتے ہیں۔''سلطنت اسلامیہ میں بھی یہ کام بالکل گورنمنٹ کے ذمے نہ تھا شاید دو ایک مدرسہ ایسے ہونگے جن کا خرچ گورنمنٹ دیتی تھی ورنہ تمام مدرسہ صرف رعایا کی مدد سے قائم تھے جوان کے مدرسوں یا بانیوں کو بطور نذر و نیاز کے ان کے قائم رکھنے کو دیتی ہے۔ کیا شاہ عبدالعزیز کا مدرسہ ہو یا شاہ غلام علی کی خانقاہ ہو بغیر لوگوں کی نذر و نیاز دینے کے جس کو حال کی زبان میں چندہ کہتے ہیں قائم رہ سکتی تھیں پس ہر مقام میں مسلمانوں کو متحد ہو کر ترقی تعلیم کے لئے سعی کرنی چاہئے اور پھر وہی وسیلے رواج تعلیم کے خود اپنے پاس قائم کرنے چاہئے اس طرح پر وابستہ ترقی تعلیم اور بہبودی مسلمانوں کی عموماً توقع ہے اور بغیر اس کے کچھ توقع نہیں سرسید نے اپنے نظریات کو عام کرنے کے لئے عملی طور پر بھی کوششیں کیں اور جگہ جگہ ایسے مدرسے قائم کئے جن کا بنیادی مقصد قوم کو نئے علوم سے روشناس کرنا تھا۔اس کا سب سے بڑا ثبوت علی گڑھ یونیورسٹی کا قیام ہے۔جس کو آج ہم ایک یونیورسٹی کی شکل میں دیکھتے ہیں۔ جیسے سرسید اور ان کے ساتھیوں کی ان تھک مخلصانہ جدوجہد کے بعد 1875ء میں ایک مدرسۃ العلوم کی شکل میں قائم کیا گیا تھا۔

تہذیب الاخلاق میں خبریں یا ادبی مضامین بہت کم تھے جو علمی وہ بھی دینی مسائل پر تحقیقی و اصلاحی و تنقیدی، اخلاقی معاشرتی اور تمدنی مضامین شائع ہوتے تھے جن کا مقصد مسلمانوں کی مذہبی اصلاح تعلیمی بہتری اور بیداری کرنا تھا۔تہذیب الاخلاق کی کوشش یہ بھی تھی کہ عیسائی اسلام پر جو اعتراض کرتے ہیں کہ وہ ترقی اور تمدن کا دشمن ہے اس غلط فہمی کا اصل منشا ظاہر کیا جائے اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کے اسلام کی عظمت کا خیال پیدا کیا جائے۔ان کی قدیمی اور علمی ترقیات یاد دلائی جائیں اور اس طرح مردہ قوم کو از سر نو زندہ کیا جائے۔

سرسید کے مطابق اسلام فطرت ہے اور وہ فطرتِ اسلام کے نظرئے کے قائل تھے۔مخالفین سرسید نیچری کا مطلب یہ سمجھاتے تھے کی سرسید انگریزوں کے حامی اور ان کے خیالات کے مجرد ہیں اور بے دینی کے خیالات پھیلاتے ہیں سرسید نے تہذیب الاخلاق کے ذریعے ان غلط فہمیوں کو بھی دور کرنے کی کوشش کی اس اخبار میں مذہبی بحثیں کی جاتی تھیں اور مضمون لکھنے والے سرسید مولوی حمیدی علی، منشی مشتاق حسین، منشی ذکا اللہ اور محمد احسان اللہ وغیرہ

ہوتے تھے۔اس اخبار کے ابھی دو تین پرچے ہی جاری ہوئے تھے کہ اس کی مخالفت چاروں طرف سے ہونے لگی چنانچہ جب اس اخبار نے مسلم کالج علی گڑھ کا پروپگنڈہ شروع کیا تو اس میں بھی شدید مخالفت کی گی لیکن سرسید نے اپنا کام حوصلے کے ساتھ جاری رکھا اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔

تہذیب الاخلاق سات سال تک برابر نکلتا رہا اس کے بعد بند ہو گیا اور ایک سال سات مہینے کے بعد دوبارہ جاری ہوا مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ تہذیب الاخلاق نے مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کرنے کے لئے عہد ساز کردار ادا کیا اور دانشوری کی اس روایت کو جنم دیا جسے آج ہم روشن خیالی کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔

11.4 نمونہ برائے امتحانی سوالات

---

1 اخبار ''سائنٹفک سوسائیٹی'' کی خدمات اُجاگر کریں۔

2 ماہنامہ ''تہذیب الاخلاق'' ایک اصلامی ماہنامہ تھا۔

11.5 امدادی کتب

---

1 اردو صحافت۔مرتب انور علی دہلوی

2 اردو صحافت کا سفر۔گربچن سنگھ

3 اردو صحافت سمت و رفتار۔ڈاکٹر اعجاز حسین شاہ

اکائی نمبر12: روزانہ صحافت کا آغاز

ساخت

12.1 تعارف

12.2 ہدف

12.3 روزانہ صحافت کا آغاز

12.4 امتحانی سوالات

12.5 امدادی کتب

12.1 تعارف

اردو میں صحافت کا آغاز ہفت روزہ اخباروں سے ہوا۔ 1822ء میں کولکتہ سے ''جام جہانما'' نامی ہفت روزہ اخبار جاری ہوا۔ اس اخبار کی پیروی میں انیسویں صدی کے آخر تک جتنے بھی اردو کے اخبار یکے بعد دیگر جاری ہوئے وہ زیادہ تر ہفت روزہ اور سہ روزہ ہی تھے۔ انیسویں صدی کی آخری دہائیوں اور بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں اردو زبان میں جاری ہونے والے بعض ہفت روزہ اور سہ روزہ اخبار وقتی تقاضوں کے پیش نظر آہستہ آہستہ روزانہ اخبار بننے لگے۔ دو اوراق کے بڑے سائز پر مشتمل اردو کا پہلا روزانہ اخبار ''گائیڈ'' 1858ء میں مولوی کبیر الدین احمد خان بہادر نے کولکتہ سے جاری کیا۔ یہ اخبار انگریزوں کا موید تھا۔ یہ مطبع مظہر العجائب میں ٹائپ میں چھپتا تھا۔ اس روزانہ اخبار کی پیروی میں کئی اخبار روزانہ اخبار کی صورت میں منظر عام آنے لگے۔ جن میں اخبار پیسہ، مدینہ، زمیندار، ہمدرد، قومی آواز اور انقلاب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

12.2 ہدف

اس اکائی میں اردو میں روزانہ صحافت کے آغاز پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے اور طلبأ وطالبات کو روزانہ صحافت کے آغاز کے متعلق دلائل کے ساتھ جانکاری بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اردو کا پہلا روزانہ اخبار کون سا تھا اور اس کی پیروی میں کون کون سے اخبار جاری ہونے لگے ان تمام نکات کو اس اکائی میں ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔

12.3 روزانہ صحافت کا آغاز

اردو صحافت کا آغاز ہفتہ وار اخباروں سے ہوا۔ 1822ء میں جب جام جہاں نما اردو کا پہلا اخبار کلکتہ سے جاری ہوا تو یہ ہفتہ وار اخبار تھا۔ اس کی پیروی میں بعد میں جتنے اخبار یکِ بہ دیگرے انیسویں صدی کے آخر تک نکلتے رہے وہ کم وبیش ہفتہ وار اخبار ہی تھے انیسویں صدی کے آخر میں نکلنے والے چند ہفتہ وار اخبار ایسے ضرور تھے جو بیسویں صدی میں داخل ہونے کے بعد روزانہ اخبار بنے اور آزادی تک اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔

حقائق کے باوجود اردو کا پہلا روزنامہ گائیڈ کے نام سے خان بہادر مولوی کبیر الدین نے جاری کیا جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ انگریزوں کا خوش آمدید اخبار تھا۔ اس نے روزنامہ ہونے کے باوجود کوئی ایسا کام نہیں کیا جیسے اردو صحافت کے ارتقاء میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہو پھر بھی روزنامہ ہونے کی وجہ اس اخبار کو روزناموں کی تاریخ میں خشت اوّل کی حیثیت حاصل ہے۔ انہی دنوں لاہور سے اخبار عام جاری ہوا جس نے جلد ہی پیسہ اخبار کا نام لے کے مرکزی حیثیت حاصل کی۔ یہ اخبار ابتدا تو ہفتہ وار تھا لیکن جلد ہی اردو گائیڈ کی پیروی میں روزنامہ ہوا اور کچھ مدت تک اسی شکل میں عوام کی توجہ کا مرکز بنا رہا اس کے ایڈیٹر منشی محبوب عالم چونکہ بڑے جواں دیدہ آدمی تھے اور صحافت کے رموز ونکات سے واقفیت ہونے کے ساتھ ہی ساتھ یورپ کا سفر بھی کر چکے تھے چنانچہ ان کی قیادت میں اس اخبار نے خاصی ترقی کی 1924ء میں یہ اخبار بند ہو گیا۔

بیسویں صدی کا سورج جب رونما ہوا تو برّ ے صغیر کی عوام جدو جہد آزادی کے شدید دور میں داخل ہو رہی تھی کانگریس کے قیام اور اس کے بعد مسلم لیگ کے وجود نے قومی سطح پر جو بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی جس سیاسی شعور کو عام کیا اس کا تقاضا یہ تھا کہ اردو صحافت میں شدت پیدا ہو ان حالات کے ساتھ ہی ساتھ عالمی سطح پر بھی جو انقلابات رونما ہوئے خصوصاً عالمی جنگ کی وجہ سے انسان جس تباہی و بربادی سے دوچار ہوا اس کا تقاضا بھی یہ تھا کہ دنیا کو رونما ہونے والے ہر نئے واقع سے باخبر رکھا جائے چنانچہ ان تقاضوں کے تحت جہاں کئی ہفتہ وار اخبار جاری ہوئے۔ وہاں روزنامے بھی سامنے آئے ان میں مدینہ اخبار کا ذکر خصوصاً قابل ذکر ہے۔ یہ اخبار اگر چہ کافی پہلے بجنور سے مولوی مجید حسن کی قیادت میں نکلنے لگا تھا لیکن 1930ء کے بعد اسے روزانہ اخبار کر دیا گیا اس سے پہلے لاہور سے زمیندار نکل چکا تھا یہ اخبار بھی 1930 کے آس پاس ہی روزنامے کی شکل میں نکلنے لگا تھا۔ جدو جہد آزادی میں اخبار مدینہ اور زمیندار کا کردار نا قابل فراموش ہے اسی زمانے میں کلکتے سے کئی روزنامے جاری کئے گئے خاص طور سے روزنامہ ہند کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اسی زمانے میں ممبئی سے خلافت اور پشاور سے روزنامہ کوہستاں جاری کیا گیا۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ زمیندار 1910ء کے بعد مولانا ظفر علی خاں کی قیادت میں ہفتہ وار کے طور پر نکلنے لگا تھا اسے بعد میں مولانا ظفر علی خان نے ہی روزنامے کی شکل دی اور تقریباً بیس سال تک یہ اخبار قومی خدمات انجام دیتا رہا۔ اس نے آزادی کی تحریک کی زبردست حمایت کی۔ اس نے انگریزوں اور ان کے حامیوں کے پرخچے اڑا دئے۔

جدو جہد آزادی کے رہنماؤں میں مولانا ظفر علی خان کے ساتھ مولانا محمد علی جوہر کا بھی نام نا قابل فراموش ہے۔ آپ نے لاہور سے ہمدرد اخبار جاری کیا جو زمیندار کے بعد سب سے کثیر الشاعت اخبار تھا۔ اس کا معیار بھی بہت بلند تھا ان دو اخباروں کو تاریخ صحافت میں ہی نہیں تحریک آزادی میں بھی تاریخ ساز اہمیت حاصل ہے اسی زمانے میں ایک اور سنجیدہ اخبار جاری ہوا یہ کمیونسٹ نظریے کا اخبار تھا جس کے لیڈر سردار سکندر حیات خان تھے۔ زمیندار کی طرح اس اخبار نے بھی روزنامے کے طور پر تحریک آزادی کی حمایت کی لاہور سے اخبار سیاست نکلا جس کے مالک سید حبیب تھے۔ اس کے ایڈیٹر کو انگریزوں کے خلاف بغاوت پھیلانے کے الزام میں کئی بار جیل جانا پڑا لیکن ان تمام دقتوں کے باوجود سید حبیب حوصلہ نہیں ہارے اور اپنی قلم کی مدد سے تحریک آزادی کی شمع کو روشن رکھنے کا کام انجام دیتے رہے۔

روزنامہ مصنف، روزنامہ شہیب، روزنامہ سیاست، روزنامہ قومی آواز، روزنامہ انقلاب قابل ذکر ہیں ان

اخباروں کے علاوہ بہت سے ایسے روزنامہ اخبار بھی ہیں جو ریاستی سطح پر خدمات انجام دیتے رہے ہیں ایسے اخباروں میں زیادہ تعداد ان کی ہے جو ریاست جموں وکشمیر، حیدرآباد اور لکھنؤ وغیرہ سے نکلتے ہیں۔ تنہا ریاست جموں وکشمیر سے نکلنے والے اخباروں کی تعداد سو سے کم نہیں ہے، جن کا Circulation چاہئے محدود ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ بڑی پابندی سے ہر روز نکلتے تھے۔ آزادی کے بعد ہندوستان میں جو مشکلات اردو کیلئے پیدا ہوئیں ان کا اثر اردو صحافت پر مجموعی طور پر پڑا ہی ہے لیکن اردو روزنامے اس سے خصوصاً متاثر ہوئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان اخباروں کے قارئین میں کوئی اضافہ نہیں ہوا بلکہ کچھ علاقوں میں ان کی تعداد تو اتنی کم ہوئی ہے کہ اخباروں کیلئے زندہ رہنا ناممکن ہو گیا ہے۔

12.4 نمونہ برائے امتحانی سوالات

---

1 اردو میں روازنہ صحافت کے آغاز پر روشنی ڈالئے

2 اردو کے وہ کون سے اخبارات تھے جو ہفت روزہ اور سہ روزہ سے روزانہ ہوئے۔ وضاحت کیجئے؟

12.5 امدادی کتب

---

1 اردو صحافت۔ مرتب انور علی دہلوی

2 اردو صحافت کا سفر۔ گربچن سنگھ

3 اردو صحافت سمت ورفتار۔ ڈاکٹر اعجاز حسین شاہ

اکائی نمبر 13: زمیندار، ہمدرد اور الہلال

ساخت

13.1 تعارف

13.2 ہدف

13.3 زمیندار، ہمدرد اور الہلال

13.4 امتحانی سوالات

13.5 امدادی کتب

13.1 تعارف

اخبار ''زمیندار'' ظفر علی خان نے جاری کیا تھا۔ظفر علی خان تحریک پاکستان کے سرکردہ کارکنوں میں سے ایک اور آل انڈیا مسلم لیگ کے حامی تھے۔ یہ مذکورہ اخباری پوری طرح ان کی سرپرستی میں شائع ہوتا تھا۔ یہ اخبار اردو زبان میں ایک ہندوستانی مسلم اخبار تھا جو 1920ء سے 1940ء تک ہندوستانی مسلمانوں، مسلمان قوم پرستوں اور تحریک پاکستان کی ترجمانی کرتا رہا۔اس اخبار کو ہندوستانی مسلمانوں میں ایک خاص مقبولیت حاصل تھی۔اس اخبار کا صدرِ دفتر لاہور میں تھا اور آزادی کے بعد بھی یہ پاکستان سے شائع ہوتا رہا۔

جدو جہد آزادی کے ایک نامور رہنما محمد علی جوہر نے کولکتہ سے اخبار ''ہمدرد'' جاری کیا۔ یہ اخبار ''زمیندار'' اخبار کے بعد سب سے زیادہ چھپنے والا اخبار تھا۔کولکتہ کے بعد محمد علی جوہر اسے دہلی سے نکالنے لگے۔معیار کے اعتبار سے یہ اردو کا ایک اچھا اخبار تھا لیکن انتظامی بدحالی کے سبب یہ اخبار کم عرصہ ہی زندہ رہ سکا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے جولائی 1912ء میں ہفت روزہ اخبار ''الہلال'' کو لکتے سے جاری کیا۔ تصاویر سے مزین یہ اخبار ٹائپ میں چھپتا تھا۔ مذہب، سیاست، جغرافیہ، تاریخ، ادب اور حالات حاضرہ کے علاوہ دیگر اہم موضوعات پر معیاری مضامین اور فیچر اس اخبار میں چھپتے رہتے تھے جن کی عوام اور ادبی حلقوں میں کافی سراہنا ہوتی تھی۔ اس اخبار میں دیگر مقامی زبانوں کے اخبارات کے علاوہ عربی اور مصری اخبارات سے بھی خبریں ترجمہ کرا کے شائع کی جاتیں تھیں۔ یہ اخبار تحریک خلافت اور سول نافرمانی کا مبلغ و موید تھا۔ اس پاداش میں الہلال مطبع سے دو ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی گئی۔ اس کے بعد پھر 1914ء کو دس ہزار روپے کی ضمانت طلب کی گئی جو جمع نہ ہو سکی اور یہ اخبار بند ہو گیا۔ 1927ء میں یہ اخبار اسی نام سے پھر جاری ہوا لیکن زیادہ عرصہ نہ چل سکا۔ چند ماہ کے بعد پھر بند ہو گیا۔ پہلی عالمی جنگ کے دوران اس اخبار کی تعداد اشاعت پچیس ہزار کے قریب پہنچ گئی تھی۔ یہ اخبار اپنی بہترین ترتیب و تزئین اور معیاری مضامین کے سبب کافی مقبول تھا۔ اِسے اردو کا پہلا باتصویر سیاسی پرچہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

13.2 ہدف

اس اکائی کا مقصد طلبأ وطلبات کو اردو کے تین بڑے اور معیاری اخبارات زمیندار، ہمدرد اور الہلال کی خدمات سے روشناس کرانا ہے۔ یہ اخبارات کس عہد میں شائع ہوئے اور ان کے ایڈیٹر اور مالک کون تھے اور ان میں کس طرح کی خبریں اور مضامین چھپتے تھے اس کی وضاحت تفصیل سے کی گئی ہے۔

13.3 زمیندار، ہمدرد اور الہلال

اردو صحافت کی تاریخ میں مولانا ظفر علی خان کو بابائے صحافت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آپ نے اخبار ''زمیندار'' کی وساطت سے اردو صحافت کی جو خدمات انجام دیں انہیں صحافت کی تاریخ کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتی۔ مولانا ظفر علی خان کے والد مولانا سراج الدین نے 1903ء میں ہفت روزہ اخبار ''زمیندار'' لاہور سے جاری

کیا تھا۔ مالی مشکلات کی وجہ سے مولوی سراج کرم آباد منتقل ہو گئے ان کی وفات کے بعد مولانا ظفر علی خان نے زمیندار کی باغ ڈور سنبھالی اور ایک بار پھر لاہور سے شائع کرنا شروع کیا جنگ طرابلس کے زمانے میں انہوں نے روزانہ کر دیا یہ اخبار برطانوی سامراج کے خلاف ایک زبردست تازیانے کا درجہ رکھتا تھا اور اسی جہاد کی وجہ سے زمیندا تمام طبقوں میں بہت مشہو ہوا اس اخبار کی اس مجاہدانہ روش کی وجہ سے حکام وقت اس کے خلاف تھے۔ چنانچہ اخبار کی ضمانت طلبی اور چھاپے خانے کی ضبطی کا سلسلہ شروع ہوا جو آزادی کے وقت جاری رہا اس کی بیبا کی کی وجہ سے اس وقت کا کوئی دوسرا اخبار ''زمیندار'' کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا مولانا ظفر علی خان چونکہ شاعر بھی تھے چنانچہ ان کی باغیانہ نظمیں اس کے صفحہ اوّل پر چھپتی تھیں جو پورے ملک میں تہلکہ مچا دیتی تھیں گورنر سر مائیکل اوران کے بعد سر مانسٹر اس اخبار کو کچل دینے کے در پہ تھے لیکن زمیندار کے مداح اور خیر خواہ ضمانت طلبی پر بڑی سے بڑی رقم فراہم کر دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے اخبار مسلسل جاری رہتا تھا، رولٹ ایکٹ کے خلاف جدوجہد میں اور جلیاں والا باغ کے قتل عام کے دنوں میں مولانا ظفر علی خان کی تحریروں نے انگریزوں کے خلاف نفرت کی آگ کو بھڑکایا پریس ایکٹ کے خلاف مہم چلانے کے لئے ظفر علی خان انگلستان بھی گئے اور وہاں سے ایک ایسا مضمون شائع کیا جس سے آگ بگولہ ہو کر حکام نے زمیندار کو بند کر دیا 80 ہزار روپئے کی ضمانت طلبی پر اور پریس کو بھی ضبط کر لیا گیا۔ لیکن ان ہی دنوں ساری رقم فراہم کر دی گئی۔

مولانا ظفر علی خان نے سر جان سائمن کا استقبال کرنے پر علامہ اقبال کے خلاف لکھا اور لالہ لاج پت رائے پر لاٹھی چارج پر نظم لکھی۔ سردار بھگت سنگھ اوران کے ساتھیوں کو جب پھانسی کی سزا دی گئی اوران کی لاش ستلج کے کنارے پر جلائی گئی ۔ گیٹ لاہور میں مولانا نے تقریر کی اور فی البدیع نظم پڑھی جس نے پوری قوم میں آگ لگا دی۔ مولانا کانگریس سے الگ ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے مگر جب لالہ بہاری لال چنانہ کی قیادت میں ایجیٹیشن شروع کی گئی تو اس میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے انگریزوں کے خلاف فی البدیع منظوم تقریر کی اور اس طرح تقریر میں اور صحافت میں وہ جوہر دکھائے جنہیں آج بھی نمونے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ جدوجہد آزادی میں جن اخباروں نے لامثالی کردار ادا کیا ان میں زمیندار کا کام اور نام سہر فہرست ہے۔ اس اخبار کے ذریعے مولانا ظفر علی خان نے اردو صحافت کو صرف معلوماتی ہی نہیں بلکہ ادبیت کے اعتبار سے بھی بام عروج تک پہنچایا۔ اخبار زمیندار کو ان حریت پسند اخباروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ جنہیں جنگ آزادی کی تاریخ میں ہراول دستے کا مرتبہ حاصل ہے۔

ہمدرد

جدوجہد آزادی کے ایک اور نامور رہنما کی زیرادارت 'ہمدرد' اخبار جاری ہوا۔ یہ اخبار زمیندار کے بعد سب سے زیادہ چھپنے والا اخبار تھا۔ معیار کے اعتبار سے بھی کسی طرح یہ زمیندار سے کم نہیں تھا لیکن انتظامی حالت کی ابتری کی وجہ سے اخبار زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکا۔ مولانا ظفر علی کی طرح مولانا محمد علی جوہر بھی چوں کہ ایک روش پر چلنے والے انسان نہیں تھے۔ اس لئے کچھ دنوں چمک دمک کے ساتھ لکھنے کے بعد تک یہ اخبار مدھم پڑنے لگا۔ شروع میں یہ اخبار ٹائپ میں چھپتا تھا قارئین کو راس آیا چنانچہ جلد ہی یہ اخبار بند ہو گیا تاہم جتنا عرصہ بھی یہ اخبار زندہ رہا اس نے قومی وملی مسائل کی بھرپور ترجمانی کی اور جدوجہد آزادی کا بھرپور ساتھ دیتے ہوئے انگریزوں کی مخالفت کو اپنا شعار بنایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم میں سیاسی شعور پیدا کرنے میں اس اخبار نے قابل قدر فریضہ انجام دیا۔

محمد علی جوہر کا یہ روزنامہ اخبار ابتداء میں کلکتہ سے شائع ہونا شروع ہوا تھا بعد میں مولانا جوہر اسے دہلی سے نکالنے لگے۔ دہلی میں مولانا جوہر نے اس اخبار کے لئے سرگرمی سے کام شروع کیا۔ 13 فروری 1913 کے ہمدرد کا نقیب ایک صفحے پر نکلنے لگا پھر بیروت سے ٹائپ خاصی مقدار میں آ گئے تو یہ اخبار باقاعدگی سے نکلنے لگا۔ اس اخبار میں اردو کے بلند پایہ صحیفہ نگار مولانا سید جالب، مولانا شرر، قاضی عبدالغفار اور سید محفوظ علی بدایونی وغیرہ مولانا جوہر کی زیر نگرانی کام کرتے تھے۔ نومبر 1914 میں مولانا جوہر کے ترکوں کے متعلق ایک مقالہ لکھنے کے باعث میں ان کے انگریزی اخبار ''کامریڈ'' کی ضمانت ضبط ہوگئی اور انہیں اور انکے بڑے بھائی کو نظر بند کر دیا گیا۔ اگست 1916 میں مولانا جوہر کے اردو اخبار ''ہمدرد'' کو بھی بند کر دیا گیا۔ مولانا جوہر نے تحریک ترک موالات کے سلسلے میں ہوئی قید کی رہائی کے بعد 1932ء میں اخبار ''ہمدرد' کو پھر جاری کیا۔ جب 1928ء میں مولانا جوہر علاج کے سلسلے میں یورپ گئے۔ وہاں سے واپس آئے تو اخبار کی حالت کو اچھا نہ پایا تو لہٰذا مجبور ہو کر اسے بند ہی کرنا پڑا۔

الہلال

مولانا ابوالکلام آزاد کو قدرت نے بے پناہ صلاحیتوں تے نوازا تھا۔ ادب، انشاء صحافت، خطابت، قیادت ان سبھی امور میں وہ دوسروں سے کہیں بلند شخصیت کے مالک تھے۔ صحافت کے میدان میں جب وہ اترے تو اس وقت

امور صحافت کا معیار روبہ زوال تھا۔ کم عمری سے ہی وہ اخبار نویسی کے فن میں مہارت حاصل کر چکے تھے۔ اس کم عمری میں وہ ''الہلال'' جیسے مایہ ناز اخبار کے ایڈیٹر ہوئے مولانا شبلی نے جب انہیں دیکھا تو بے حد تعریف کرتے ہوئے کہا کہ ''تم کسی نمائش میں بطور عجوبہ کے پیش کرنے کے قابل ہو۔''

مولانا ابوالکلام آزاد کی صحافتی زندگی کا آغاز ''نیرنگ عالم'' اور ''المصباح'' سے ہوا۔ چند شماروں کے بعد یہ اخبار بند ہوگئے اور بعد میں وہ ''لسان الصدق'' سے وابستہ رہے۔ یہ اس وقت کے چند معیاری پرچوں میں سے ایک تھا۔ اس پرچے کے فن مقاصد کا مولانا نے اعلان کیا۔ انہیں مسلمانوں کی سماجی اصلاح ان میں جدید تعلیم کا شوق پیدا کرنا تھا۔ تعلیمی تحریک کے سلسلے میں انہوں نے سرسید کا پُرزور الفاظ سے خراج تحسین ادا کیا۔

لسان الصدق سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد مولانا شبلی نے انہیں ندوہ میں بلالیا۔ وہاں سے سبکدوش ہونے کے بعد انہوں نے امرتسر سے نکلنے والے اخبار ''وکیل'' کی ادارت سنبھالی۔ وکیل میں کام کرنے کے دوران ہی انہیں یہ احساس ہوا کہ اخبار نویس کے ذہن اور قلم کو آزاد ہونا چاہئے اور یہ بات اسی وقت ہوسکتی ہے کہ جب اخبار اس کی اپنی ملکیت ہو۔ اس احساس نے الہلال کو جنم دیا اس کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں۔ 1906ء میں موسم کی آخری راتیں تھیں جب امرت میں میری چشم بیداری نے ایک خواب دیکھا۔ انسان کے ارادوں اور منصوبوں کی حد تک ذہن و تخیل میں عالم بیداری کا ایک خواب سمجھنا چاہئے مکمل چھ برس اس کی تعمیر کی عشق آج اس خواب عزیز کی تعمیر عام وجود میں پیش نظر ہے الہلال جب سامنے آیا تو اس نے صحافت کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا یہ پہلا موقع تھا کہ اردو زبان کا ایک پرچہ حسن صورت اور حسن سیرت سے مرقع ہو کر نکلا۔ مصری اخباروں کی پیروی میں مولانا نے اس پرچے کو ٹائپ میں نکلا اور اسے تصویروں سے بھی مزین کیا لیکن اس کی اصل خصوصیت مولانا کے انداز بیان کی تھی وہ لفظوں اور جملوں کے بادشاہ تھے اور ان کی تحریر میں تقریر کی شان نظر آتی تھی۔ اخبار نکالنے کے وسائل نہ ہوتے ہوئے انہوں نے اللہ پر بھروسہ کر کے اخبار جاری کیا اور چاروں طرف پھیلے ہوئے نامساعد حالات سے ہرگز نہیں گھبرائے۔

مولانا بڑے خوددار انسان تھے۔ بہت سی پریشانیاں پیدا ہونے کے باوجود کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا اور ایک ریاست کے مالک نے الہلال پڑھ کر مدد کے طور پر چیک مولانا کو روانہ کیا اور ہر ماہ اتنی رقم دینے کا وعدہ کیا لیکن مولانا نے اس چیک کو واپس کر دیا اور کہا ''ہم اس بازار میں سودائے نفع کے لئے نہیں بلکہ تلاش سود و زیاں کے لئے

آئے ہیں صلاح وتحسین نہیں بلکہ نفرت ودشنام کے طلب گار ہیں ایسوں کی مدد کر کے آپ کا کیا جی خوش ہوگا۔اس سے میری رائے اور میرا ضمیر خریدنا مقصود ہوتو باادب واجب عرض ہے کہ ان خذف ریز ہائے طلائی کی تو کیا قیمت ہے۔کوہ نور،اور تخت طاؤس کی قیمت بھی جمع کر لیجئے جب وہ آپ کی پوری ریاست اس کی قیمت کے آگے ہیچ ہے یقین کیجئے کہ اس کے سوائے شہنشائے حقیقی کو کوئی نہیں خرید کر سکتا وہ ایک بار خرید چکا ہے۔مولانا کا عقیدہ تھا کہ جو اخبار اپنی قیمت کا سودکسی انسان یا جماعت سے موصول کرئے وہ اخبار اسکے فن کے لئے دھبہ ہے۔

الہلال ایک اخبار ہی نہیں ایک تحریک تھا۔اس نے مسلمانوں میں سیاسی اور مذہبی بیداری پیدا کی اوران کی توجہ ان کے فرائض کی طرف دلائی اوران کے اندر جرأت پیدا کی۔مولانا نے مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ بے خوف ہوکر قوم کی خدمت دوسری اقوام کے ساتھ ملکر کریں لکھتے ہیں:

> ''میں نے 1912ء میں جرنل الہلال جاری کیا اور امر واقع ہے کہ الہلال نے مسلمانوں کی تعداد کے بجائے ایمان پر اعتبار کرنے کی تلقین کی اور بے خوف ہوکر ہندؤں کے ساتھ مل جانے کی دعوت دی اس سے وہ تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کا نتیجہ آج متحدہ خلافت وسوراج ہے۔''

مولانا ابوالکلام آزاد نے الہلال کے ذریعے لامثال کارنامے انجام دیئے کاش وہ صحافت اور علمی سرگرمیوں کو چھوڑ کر خود کو مکمل طور پر سیاست کے حوالے نہ کر دیتے اگر ایسا ہوتا تو ہمارے پاس ادب وعلمیت کا بہت بڑا خزانہ ہوتا۔

13.4 نمونہ برائے امتحانی سوالات

---

1 اخبار''زمیندار'' کی خدمات پر روشنی ڈالئے

2 اخبار''ہمدرد'' کے متعلق اپنی رائے قلم بند کیجئے

3 ''الہلال''ایک انقلابی نوعیت کا اخبار تھا۔وضاحت کیجئے۔

اکائی نمبر 14: اردو صحافت پہلی جنگ عظیم کے بعد

14.1 تعارف
14.2 ہدف
14.3 اردو صحافت پہلی جنگ عظیم کے بعد
14.4 امتحانی سوالات
14.5 امدادی کتب

14.1 تعارف

انیسویں صدی کے نصف حصے یا پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل تک ہندوستان کے مختلف شہروں سے متعدد اخبارات جاری ہو چکے تھے۔ چنانچہ ۱۸۳۴ء میں بمبئی سے ''آئینہ سکندری'' اردو میں جاری ہوا۔ انیسویں صدی کے تیسری دہائی میں جو سب سے بڑا اخبار سامنے آیا وہ ہے ''دہلی اردو اخبار'' جسے اردو کے مشہور انشا پرواز مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی باقر نے ۱۸۳۶ء میں جاری کیا تھا۔ یہ اخبار اپنے عہد کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرتا تھا۔ اسی دوران ایک اور اخبار ''خیر خواہ ہند'' مرزا پور سے جاری ہوا۔ اتر پردیش کا یہ پہلا اردو اخبار ہے۔ یہ ایک مذہبی اخبار تھا اور اس کا مقصد عیسائیت کی تبلیغ کرنا تھا۔ چوتھی دہائی میں مزید کئی اخبارات سامنے آئے۔ ۱۸۴۱ء میں دلی سے ''سید الاخبار'' جاری ہوا۔ اسے سر سید احمد خاں کے بڑے بھائی سید محمد خاں نے جاری کیا تھا۔ اس کے ایڈیٹر سید عبد الغفور تھے۔ ۱۸۴۱ء میں ''آئینۂ گیتی نما'' سید اولاد علی کی ادارت میں جاری ہوا۔

14.2 ہدف

اس اکائی میں پہلی جنگ عظیم کے بعد اردو صحافت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد اردو صحافت کی کیا صورت حال رہی اور اس نے کس طرح ارتقائی منازل طے کیں۔

14.3 اُردو صحافت پہلی جنگِ عظیم کے بعد

پہلی جنگِ عظیم جولائی ۱۹۱۴ء سے لے کر نومبر ۱۹۱۸ء تک لڑی گئی جس میں جرمن کو شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ بیسویں صدی ہندوستانیوں کے لئے کئی انقلاب لے کر رونما ہوئی۔ سیاسی بیداری کے ساتھ ہی ساتھ عالمی سطح پر بھی ایسے واقعات رونما ہوئے جنہوں نے انسان کو کئی ایک فکری انقلابات سے ہمکنار کر دیا اس زمانے میں ملکی سطحی پر کانگریس جدوجہد آزادی کیلئے برسر پیکار ہوئی مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا افریقہ اور مغربی ملکوں کو تخت وتاراج کیا گیا ترکی کی سلطنت کی تباہی رونما ہوئی جس نے عالمی سطح پر بھی کئی انقلابات کی راہ ہموار کی ان سبھی واقعات نے اردو صحافت کیلئے بھی کئی نئی راہیں روشن کیں جس سے اردو صحافت کے فروغ وارتقاء کے دروازے بھی کھلے۔ ان قومی اور بین الاقوامی حالات وواقعات سے اردو صحافت بہت متاثر ہوئی۔ نئے نئے اخبار نکلے اور وہ اخبار یا تو دب گئے یا بند ہو گئے جو انگریزوں کے خوش آمدید اخبار سمجھے جاتے تھے۔ انگریزوں کی مخالفت نے اخباروں کو نڈر اور بے خوف بنا دیا جس سے فکری اور فنی اعتبار سے اردو صحافت میں نکھار پیدا ہوا۔ اسی لئے اس دور کو اردو صحافت کا سنہری دور قرار دیا جاتا ہے۔ جنگ عظیم سے کچھ پہلے یا اس کے دوران بے شمار اخبار ایسے نکلے جنہوں نے قومی مسائل کو حل کرنے کے لئے آواز بلند کرنا شروع کری ایسے اخباروں یا رسالوں میں حسرت موہانی کا اردوئے معلیٰ مولانا ابوالکلام آزاد کا، لسان الصدق، الہلال اور البلاغ اخبار مدینہ، زمیندار، ہمدرد، روزانہ سند، خلاف ممبئی، روزنامہ کوہستان، خصوصاً قابل ذکر ہے حسرت موہانی نے اردو معلیٰ علی گڑھ سے نکالا۔ الہلال اور البلاغ کلکتہ سے جاری کئے گئے۔ زمیندار لاہور سے

نکلا۔ کوہستان پشاور سے اور ہمدرد لاہور سے ان اخباروں کیساتھ ایسی نامور شخصیات وابستہ تھیں جنہوں نے جدو جہد آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مثلاً مولانا ظفر علی خان اور مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی قاضی عدیل احمد عباسی، مولانا آزاد وغیرہ ان لوگوں نے نہ صرف ملک کی سیاست کا رُخ قومیت کی طرف موڑ دیا بلکہ اردو صحافت کے ذریعے قوم میں بے پناہ بیداری پیدا کی۔

پہلی جنگ عظیم نے یورپ کو خاص طور سے اور پوری دنیا کو عام طور سے اس قدر متاثر کیا کہ عوام کی تشفی کے لئے نئے نئے اخبار جاری کئے گئے تا کہ ملک اور قوم کو ان تمام واقعات سے واقف کرایا جاتا رہے جن کی وجہ سے دنیا میں سیاسی و علمی انقلابات رونما ہوئے تھے۔ اس دور کی صحافت نے یہ فریضہ کما حقہ ہوادا کیا اور عوام افکار اور خیالات میں تبدیلی لاتے ہوئے یہ احساس پیدا کیا کہ ان کے یاں وہ سب کچھ ہونا چاہئے جن کی وجہ سے اقوام نے ترقی پائی تھی خصوصاً سائنس اور ٹیکنالوجی کی پیش رفت نے یورپ میں جس صنعتی انقلاب کو جنم دیا تھا اور لوگوں کو دائرہ تنگ سے نکال کر عالم انسانیت کے وسیع دائرے میں کارہائے نمایاں انجام دینے کی تحریک دی تھی اسے ہندوستان میں عام کیا جائے چنانچہ انہیں ضرورتوں کے پیش نظر اس دور میں اردو صحافت نے بھی نئے انقلابات کی طرف قدم بڑھایا۔ اس دور میں جو اخبار مختلف مرکزی مقامات سے جاری کئے گئے انہیں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو جواب تک نکل رہے ہیں ایسے اخباروں میں سیاست، پیام، روزانہ ہند، اجالا، ملاپ، پرتاپ بھی قابل ذکر ہیں۔

14.4 نمونہ برائے امتحانای سوالات

---

1 پہلی جنگ عظیم کے بعد اردو صحافت کی صورت حال کا جائزہ لیجئے۔

2 پہلی جنگ عظیم کے بعد شائع ہونے والے چند اہم اردو اخبارات کا تعارف پیش کیجئے۔

اکائی15: صحافت،صحافتی قوانین اور صحافتی اخلاقیات

15.1 تعارف

15.2 ہدف

15.3 صحافت،صحافتی قوانین اور صحافتی اخلاقیات

15.4 امتحانی سوالات

15.5 امدادی کتب

15.1 تعارف

ہندوستان کا کوئی بھی فرد اور ادارہ قانون سے بالا تر نہیں ہے۔سب قانون کے دائرے میں رہ کر ہی کام کرتے ہیں جو باہر نکل جاتے ہیں وہ قانون شکن کہلاتے ہیں اور ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی ہوتی ہے۔اخبار اور صحافی بھی قانون سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ان پر سی آر پی سی (کرمنل پروسیجر کوڈ یعنی ضابطہ جوجداری) اور آئی پی سی (انڈین پنیل کوڈ یعنی ضابطہ تعزیرات ہند) کا نفاذ بھی ہوتا ہے اور ہتک عزت کا بھی دعویٰ دائر کیا جا سکتا ہے۔کسی خبر کو لکھتے وقت یا اداریہ یا کوئی دوسرا مضمون لکھتے وقت اخلاقی قدروں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔کسی کی دل آزاری نہ ہو اور کسی پر کیچڑ نہ اچھالا جائے۔خبر لکھتے وقت ضروری ہے کہ غیر جانبدار رہا جائے اور خبریں توازن قائم رکھنے کے لئے تصدیق ضروری کی جائے۔اگر کسی شخص پر کسی نے کوئی الزام لگایا ہے تو اس شخص سے بھی بات کر لینا چاہئے اور اگر وہ نہ ملے تو یہ لکھنا چاہے کہ فلاں صاحب سے ملاقات ممکن نہیں ہو سکی۔ایک قانون کاپی رائیٹ کا ہوتا ہے اس میں ایک مصنف یا مولف یا

مضمون نگار کا پی رائٹ قانون کے تحت اپنی تحریر کے تمام حقوق اپنے نام محفوظ کرسکتا ہے اور لکھ سکتا ہے کہ اس مضمون کی نقل بغیر اجازت نہ کی جائے۔

15.2 ہدف

اس اکائی میں صحافت، صحافتی خواتین اور صحافتی اخلاقیات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ طلباء وطالبات کو صحافتی قوانین اور اس کے اصول وضوابط سے پوری طرح آشنا کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

15.3 صحافت، صحافتی قوانین اور صحافتی اخلاقیات

آئیر لینڈ کی ایک ضرب المثال ہے کہ ''اگر دولت گئی تو کچھ نہیں کیا اور صحت گئی تو کچھ گیا اور اخلاق گیا تو سب کچھ چلا گیا'' اخلاق ایک انسانی رویہ ہے۔ دنیا کا ہر مذہب اخلاق تعلیمات پر مبنی ہے۔ اخلاقی اقدار کے بغیر انسانی زندگی نامکمل ہے اخلاقی اصول ہر ملک میں ہر دین میں اور ہر دور میں موجود ہے آج تک جتنے بھی فقیر، پیشوا، رشی، مُنی حادی، مصلح وغیرہ دنیا میں آئے ہیں اخلاقی اصولوں کی تبلیغ کرتے رہے ہیں اخلاق کے لئے انسان کا ضمیر جواب دِہ ہے قانون کی خلاف ورزی پر عدالت سے سزا ملتی ہے لیکن اخلاق کے اصولوں کی پابندی رضا کارانہ طور پر کی جاتی ہے۔ صحافت انسانی زندگی میں ایک اہم مقام رکھتی ہے اور یہ آزادی کی محافظ اور جمہوریت کی ترجمان ہے۔ خلق کی آواز صحافت کے ذریعے ہی گونجتی ہے اخبارات اور اخبار نویسوں کی اہمیت نہ صرف تسلیم شدہ ہے بلکہ اس میں مسلسل اضافہ ہوتا جارہا ہے اخبارات اظہار کے ذریعے ہیں یہ عوام کے لیے شائع ہوتے ہیں اور عوام کے حقوق کی حفاظت ان کا فرض ہے۔ علم الخلاق فلسفیوں کے نزدیک ایک ایسا موضوع ہے جس کے ذریعے کسی بھی فرد یا جماعت کے رویوں اور رجحانات کا جائزہ اخلاقی اصولوں کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ اخلاقی قوانین کا اعلان زبردستی نہیں ہوسکتا اخلاقاً کبھی غلط سلوک انفرادی طور پر ہوتے ہیں اور کبھی اجتماعی طور پر ہر انسانی حرکت کی پشت پر جو نظریہ یا منشا کام کرتا ہے۔ اس کا

جائزہ لیا جانا بعض اوقات بہت ضروری ہوتا ہے۔نیت،عمل، ردعمل اور مشاہدہ اپنی اپنی جگہ کارفرما رہتا ہے۔انسانوں کے رویے چال چلن ڈھنگ کے بارے میں مختلف خیالات پائے جاتے ہیں۔

اخلاقیات کے بارے میں صدیوں سے مفکرین نے غور وخوض کیا ہے۔ Cud-worth Lord shaftes bury Francis j.J Reosscaue نے ان معاملات پر کافی تحقیق کی ہے۔ Comte Hops, John Rocks, Helveties, J.S. Mill. جیسے مفکرین کے اخلاقی نظریات پر کافی بحث ومباحثہ ہو چکا ہے۔ ہر مفکر نے اپنے اپنے انوکھے انداز میں تشریح اور توضیح کی ہے۔ بیشتر مفکرین کا اسرار ہے کہ اخلاق انسانوں کے امتیاز وتمیز کا نتیجہ ہے۔اخلاق ایک قوت فیصلہ ہے بعض اسے شعور کہتے ہیں۔ ہندوستان کے آئین میں ہر باشندے کو چند حقوق حاصل ہیں جن پر کوئی ڈاکہ نہیں ڈال سکتا۔دفعہ 19 کے تحت تمام شہریوں کو حسب ذیل حقوق حاصل ہیں۔

ا) تقریر اور اظہار رائے کی آزادی

ب) امن پسندانہ طریقے سے اور بغیر ہتھیاروں کے کسی جگہ جمع ہونے کا حق۔

ج) انجمن یا قوانین قائم کرنے کا حق

د) بھارت کے سارے علاقے میں آزدانہ نقل وحرکت کرنے کا حق

ح) بھارت کے علاقے میں آزادانہ نقل وحرکت کرنے کا حق

ع) جائیداد حاصل کرنے رکھنے ور منتقل کرنے کا حق

ی) کسی پیشے کے امتیاز کرنے یا کسی کام کے دھندے تجارت یا کاروبار چلانے کا حق۔

(٦) اخبار کی طاقت مسلم ہے اور سماج میں اخبارات کے امتیازی نظام کو ضرب نہیں پہنچا سکتا انسانی معلومات ہی نہیں روز افزوں اضافے کی ضرورت کی بنیاد پر ہی اخبارات کی مضبوط عمارت تعمیر ہوتی ہے۔آج کا انسان اندھیرے میں رہنے کا عادی نہیں وہ اُجالے میں رہنے کا عادی ہے۔ وہ ذہنی اُجالے کا بھی خواہاں ہے۔اور اُجالا اسے اخبارات، رسائل اور کتابوں سے مناسب ومعقول طریقے پر سہولت اور ارزانی سے ملتا ہے۔آج کا دور کا معاشرہ اخبارات کے بغیر نامکمل ہے۔کسی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر اپنے طے شدہ مقاصد پر مستحکم رہنے والی صحافت صحت مند اخلاق پرست اور اصول پسند صحافت کہلاتی ہے۔عوام کے فلاح بہبود چاہنا آسان ہے۔مگر اس کے لئے راہیں کھولنا کٹھن ذمہ داری

ہے۔مقصدی اخبار نویسی عزم صاف گوئی اور ذہنی دیانت پر مبنی ہے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اخبار کسی مبہم تحریک جماعت یا فیصلے کی حمایت میں اندھا دھند لکھتا چلا جاتا ہے اور اپنی ہی رائے کو سب سے اہم سمجھتا ہے۔ خاص کر متنازعہ معاملات میں اس قسم کی طرفداری خوشگوار نتائج پیدا کرتی ہے۔ایسی جانب داری سے صحافیانہ مقصدیت باقی نہیں رہتی اخبار کو عوام کے طرز حیات طریقہ فکر اور رویوں سے دلچسپی رکھنی چاہیے۔ اپنی ہی بات منوانے کی ضد کسی بھی اخبار کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔

جس طرح ہر انسان کا تشخص یا پرسنلٹی ہوتی ہے۔ ہر اخبار کی بھی ایک انفرادیت ہوتی ہے۔اس انفرادیت اور خصوصیت کا معیار ہمیشہ بحال رکھنے کے لئے اخبار کو اخلاقی قدروں کا لحاظ رکھنا پڑھتا ہے۔اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وقت کی تنگی کی وجہ سے اخبارات میں سرکاری اعلانات جوں کے توں شائع کر دیئے جاتے ہیں۔مصروفیت بھی اخبار کے دفتر کا معمول ہے۔مگر اس مصروفیت کا بہانہ بنا کر سرکاری بیان کو ہی پوری اہمیت دی جائے تو صحافت کی مقصدیت کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔اخباری دیانت داری کا تقاضا ہے کہ اخبار کا کام دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنا ہوتا ہے۔اور اس لئے ایسے حقائق کو فوقیت دی جانی چاہئے جس میں خبر کا پہلو زیادہ قوی اور قابل قبول ہو۔ بہت ضروری ہے کہ صحافی اپنی ذمہ داریاں نبھاتے وقت سیاسی اثر رسوخ میں نہ آئے ۔ M.L.A, M.L.C اور .M.P یہاں تک وزراء تک صحافیوں پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ طرح طرح کی لالچ دینے سے باز نہیں آتے چنانچہ صحافتی اخلاقیات کا تقاضا ہے کہ صحافی ایسی دباؤ میں نہ آئے اور اپنے وصول پابندی کو قربان نہ کرے۔ ہر اخبار میں مدیر کا ایک محترم اور امتیازی مقام ہوتا ہے لازم ہے کہ مدیر اخلاقی ذمہ داریوں کا پابند رہے اپنے ماتحتوں کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہونے دے۔ صحافی اپنے پیشے میں کامیاب رہنے کے لئے کسی نہ کسی ذریعے سے خبریں جمع کرتا ہے اسے مجبور نہ کیا جائے کہ وہ اپنی خبروں کا وسیلہ ظاہر کرے ممکنہے کہ صحافی نے اطلاع دینے والے سے وعدہ کرلیا کہ وہ خبر کے ذریعے کا راز ہمیشہ راز ہی رکھے گا۔ اہم معلومات اکثر و بیشتر ایسے وعدوں کے بعد حاصل ہوتی ہیں صحافی کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اعتماد کی حفاظت کرے اور کسی بھی قیمت پر راز داری کے حلف کو برقرار رکھے۔

ایک آزاد اور بیباک پریس کسی بھی سماج کے لئے بڑی قوت ہوتا ہے۔اور اس قوت کو کچلنے کی ہر کوشش آزادی کی روح کو مجروح کرتی ہے۔طاقت اقتدار اور قوت کا اخلاق اصول اور خودی سے مقابلہ بہت قدیم ہے اس مقابلے میں

سخت جان کامیاب ہوتے ہیں اگر ذرا ادب گئے تو پھر سر اٹھانے کا موقع نہیں ملتا اگر ہمت کر کے مردانہ وار مقابلہ کیا جائے تو زور زبردستی کرنے والے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اس لئے یہ صحافتی اخلاقیات کا تقاضا ہے کہ صحافت کی آزادی کو ہر قیمت پر برقرار رکھا جائے۔

غور سے اگر دیکھا جائے تو اخبارات کی آزادی کا سیدھا سادا مطلب کو اخبار کے مدیر کو پوری پوری آزادی رہے۔اخبار میں خبریں منتخب کرنے یا مسترد کرنے میں اس کی رائے کا احترام ہو کسی اندرونی یا خارجی دخل اندازی کا ڈر نہ ہو اگر ادارتی معاملات میں بار بار مداخلت ہوتی رہے۔تو اس کا صاف مطلب ہے کہ مدیر کو اپنے فرائض کی انجام دہی میں خودمختاری حاصل نہیں۔چنانچہ یہ ضروری ہے کہ مدیر کو خارجی یا اندرونی آزادی میسر رہے۔

تاہم اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اخبارات مکمل طور پر آزاد ہوتے ہیں کئی قوانین ایسے ہیں جن کی پابندی پر ہندوستانی شہری جس میں صحافی بھی شامل ہیں کے لئے ضروری ہے مثلاً ہتک عزت یا کاپی رائیٹ، ہتک عدالت وغیرہ قوانین official scripts act کے تحت کئی رازدانہ معاملات ایسے ہیں جو اخبارات کے صفحات پر شائع نہیں کیئے جاسکتے کئی معلومات ایسی ہوتی ہیں جن کی اعلانیہ اشاعت سے مل کی حفاظت اور سالمیت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔اس لئے اخبارات کو ان کے دائرے میں رہنا پڑتا ہے۔

مشترین کی جانب سے اخبار پر دباؤ کا سوال کافی اہم سوال ہے کچھ مشتہرین ایسے ہوتے ہیں جو بعض اوقات کسی خبر کو چھاپنے نہیں دینا چاہتے یا کچھ خبروں کو وہ حصہ اول پر نمایاں حیثیت چھپوانے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ خبروں اور تصویروں کے انتخاب میں وہ اپنا اثر ڈالنا چاہتے ہیں ہر مدیر کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ ایسے مشتہرین کی مداخلت سے آزاد رہے مگر کوئی ایسے نازک موڑ آجاتے ہیں کہ جب مدیران اور اخبارات بڑے مشترین کی درخواستوں کو قبول کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں یہ ایک بڑا غور طلب اور حل طلب مسئلہ ہے۔مندرجہ بالا اخلاقی ضوابط کی پابندی ہر اچھے صحافی کے لئے لازمی ہے اس لئے ان سے انحراف کرنا صحافت کے وجود کے لئے خطرناک ہے، ان کے علاوہ بھی کچھ ایسے صحافتی اصول ہیں جنہیں صحافتی اخلاقیات میں شمار کیا جاتا ہے۔

۱) صحافتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی قلم کو انسانی بقا کے لئے استعمال کرے۔

۲) اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہوئے انصاف پسندی سے کام لے اور جملہ پیشہ وارانہ فرائض اور اخلاقی پابندیوں کا پاس رکھے۔

۳) ایسے معاملات میں غیر معمولی احتیاط برتے جن کی اشاعت سے بدامنی پھیلنے کا خدشہ ہو یا مختلف طبقوں میں منافرت اور کشیدگی پڑنے کا احتمال ہو۔

۴) صحافی ہمیشہ اس کوشش میں رہے کہ ملک کی سالمیت اور اتحاد کو کوئی دھکا نہ لگے۔

۵) جو خبر شائع کی جائے اس کی ذمہ داری اخبار قبول کرے۔

۶) صرف درست اور مستند اطلاعات کو شائع کریں۔

۷) لوگوں کے اعتماد کی ہمیشہ لاج رکھے۔ جو بات صیغہ راز میں کہی گئی ہے وہ رازی رہے۔

۸) اگر کوئی خبر اشاعت کے بعد غلط ثابت ہو تو اس کی فوراً تردید کرے۔

۹) اپنے پیشہ وارانہ فرائض میں ذاتی معاملات کو مداخلت نہ کرنے دے۔

۱۰) کسی بھی طرح کی رشوت نہ طلب کرے نہ قبول کرے۔

۱۱) خبریں جمع کرنے اور انہیں شائع کرنے کی آزادی کی حفاظت کرے۔

۱۲) کوئی کام ایسا نہ کرے جس سے اس کے ہم پیشہ لوگوں کے کام میں رکاوٹ پڑتی ہو۔

۱۳) افواہوں اور غیر ذمہ دارانہ کہی گئی باتوں کو شائع نہ کرے جب تک اس کی کوئی تصدیق نہ کرے۔

۱۴) ایسی خبروں کی اشاعت سے پرہیز کرے جس سے معاشرے کے جرائم اور برائیوں کے پھیلنے کا اندیشہ ہو۔

۱۵) اخبار کو ذاتیات سے میرا ہونا چاہئے۔ نہ کسی کی دشمنی کے خلاف زیادہ لکھنا چاہئے اور نہ کسی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے چاہئے۔

۱۶) جو کچھ لکھا جائے متانت اور سنجیدگی سے لکھا جائے۔

۱۷) کسی قوم کو نقصان پہنچانے کے لئے نہ لکھا جائے۔

قانون میں یہ باور کیا جاتا ہے کہ ہر باشندے کو ملک کے قوانین سے پوری واقفیت ہو جہاں قانون کی خلاف ورزی ہوتی ہے وہاں یہ کہہ کر پیچھا نہیں چھڑایا جاسکتا کہ ہمیں قانون کا علم نہیں تھا۔ چنانچہ قوانین کی پابندی کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔ صحافیوں کے لئے بھی قانون سے فرار ممکن نہیں ہے بلکہ صحافت سے متعلق قوانین مزید سخت ہوتے ہیں اخبارات سے متعلق جتنے قوانین ہیں ان سے واقفیت حاصل کرنا ہر صحافی کا فرض ہے۔

اخبارنویس خصوصاً نامہ نگار عوام اور خواص کے ناموں سے تعلق رکھتے ہیں کسی بھی فرد کی یہ آرزو رہتی ہے کہ وہ نیک نام رہے اور سماج میں اس کی عزت بنی رہے بلکہ ہمیشہ بڑھتی رہے جس طرح گھر، زمین، باغات وغیرہ اندمی کی ملکیت ہوتے ہیں یا زیورات، ہیرے جواہر کا وہ مالک ہوتا ہے اسی طرح شخص کی نیک نامی بھی اس کی ملکیت ہوتی ہے۔ اس پر بھی کسی کو ڈاکہ ڈالنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی چنانچہ جس طرح ہماری دوسری ملکیت کی حفاظت کرنا حکومت کا فرض ہے اسی طرح ہماری نیک نامی شہرت اور وقت کا تحفظ بھی بہت ضروری ہے۔ قانون ہماری عزت نام ونمود اور رتبے کی پاسبان ہے کسی بھی شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ ہمارے اخلاق، رویئے یا برتاؤ پر کیچڑ اُچھالے۔ یا عزت کی زندگی گذارنے کا حق ایک اہم انسانی حق ہے۔ چنانچہ اخبارنویس کا فرض یہ ہے کہ وہ کسی بھی فرد کے مرتبے کو گھٹانے سے باز رہے۔ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ اس کی ذاتی زندگی عوام سے مخفی رہے۔ صحافیوں کو حق حاصل نہیں کہ وہ کسی بھی مرد یا عورت کی نجی زندگی میں مداخلت کریں۔ اپنی تحریر سے صحافی کسی کے اخلاق پر حملہ نہیں کرسکتا۔

ہندوستان میں ہتک عزت کے قوانین بہت سخت ہیں۔ کوئی بھی شخص اپنی عزت پر حملہ کرنے والے کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرسکتا ہے چنانچہ اخبارنویس کے لئے ضروری ہے کہ وہ غیر معمولی احتیاط سے کام لے اور کسی کی ہتک عزت کرنے سے باز رہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہتک عزت کے معنی کیا ہیں کسی بھی انسان کے ساتھ زبانی طور پر گستاخی ہوسکتی ہے۔ جب بے عزتی تحریر ہوتی ہے اسے lible کہا جاتا ہے۔ زبانی ہتک عارضی ہوتی ہے جبکہ تحریری ہتک مستقل صورت میں موجود رہتی ہے۔ کسی کی زبانی بے عزتی ہوتی ہے تو اسے پڑھا دیکھا جاسکتا ہے۔ بے عزتی ٹائپ شدہ مطبوعہ تحقیق شدہ پرچوں کی صورت میں ہوسکتی ہے اخبار میں کارٹونوں کے ذریعے بھی کسی کے نام ونمود پر حملہ ممکن ہے۔ ہتک آمیز الفاظ کسی ذاتی خط میں شامل ہوسکتے ہیں کسی کی خبر کی تحریر سے کسی کی بے عزتی کا پہلو نکالا جاسکتا ہے اداریہ میں کسی کی عزت پر ڈاکہ پڑسکتا ہے۔ کسی کے اشارے میں کسی کی بے عزتی پوشیدہ ہوسکتی ہے۔ کسی اشتہار کے ذریعے بھی کسی کی نیک نامی یا اخلاق پر حملہ ہوسکتا ہے۔ ہتک کسی اخباری سرخی کے لئے بھی ممکن ہے۔ کتابت کی توڑ مروڑ سے بھی کسی کی ہتک کا ساماں پیدا ہوجاتا ہے۔ معمولی ادارت کی غلطی سے ایک کے بجائے کسی دوسرے کی بے عزتی ہوجاتی ہے۔ نام کے ہجے میں ذرا سے فرق سے ایک آدمی کی بے عزتی کو دوسرے آدمی کی بے عزتی ثابت کیا جاسکتا ہے۔

جن الفاظ سے ظاہری طور پر عزت کی ہتک ہوتی ہے۔انہیں قانونی اصطلاح میں (پر۔سے) کہا جاتا ہے۔جو کسی ایسے معصوم کے حق میں استعمال کر دیئے جاتے ہیں جس کا کسی جرم سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا libel وہ تحریر ہے جو باعث ہتک عزت ہوتی ہے۔کسی کو بدنام کرنا کسی کے خلاف تحقیر آمیز تحریر شائع کرنا قانوناً جرم ہے۔تحریری ہتک کے قوانین زبانی ہتک کے قوانین سے زیادہ سخت سزا کے حامل ہیں۔

اکثر و بیشتر ہتک وعزت کے مقدمات میں مظلوم افراد ہرجانہ طلب کرتے ہیں کبھی کبھی ایسے ہرجانے کی رقم لاکھوں روپئے تک ہوتی ہے۔اردو زبان میں اسے ''حرمت بہا'' کہتے ہیں۔اور قانون اصطلاح میں demage یا Special Demages کہتے ہیں تاوان کی رقم کا فیصلہ نقصان اٹھانے والے فرد کے مرتبے کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔اگر اخبار تاوان کی رقم دینے کے قابل نہ ہو تو جیل کی ہوا کھانی پڑتی ہے۔

ہتک عدالت: کسی بھی اخبار میں مقدموں کی خبریں شائع کرنا ضروری ہوتا ہے۔بعض اہم ہمدیوانی مقدموں کی تفصیلات دینی ہوتی ہیں فوجداری مقدمات تو تقریباً ہر دن دائر ہوتے ہیں چھوٹے چھوٹے جرائم کے متعلق مقدمے مقامی عدالتوں میں روز چلتے ہیں جن کی خبریں روزانہ اخبارات میں درج کرنا ضروری ہیں سیشن کورٹ یا ہائی کورٹ میں دیوانی اور فوجداری مقدموں کے علاوہ آئین کے نفاذ سے متعلق بھی مقدمے دائرے ہوتے ہیں مثلاً کورٹ عرضیاں، ملک کی سب سے بڑی عدالت سپریم کورٹ میں جو فیصلے ہوتے ہیں ان کی رپورٹیں بڑی اہم ہوتی ہیں۔

بعض اہم مقدموں میں مقدمہ شروع ہونے سے پہلے قارئین کو پس منظر سمجھانے کے لئے تمام تفصیلات کا خلاصہ دینا ہوتا ہے۔گواہوں کی شہادت کے بارے میں کچھ نہ کچھ پیشین گوئی کرنا ہوتی ہے۔بڑے بڑے اخبارات قانونی امور کی رپورٹینگ کے لئے ماہر وکیلوں کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔قانونی معاملات کی اشاعت کے لئے ہر درجہ احتیاط ضروری ہے۔اگر ذرا سی غفلت ہو جائے تو اخبار پر ہتک عدالت کے قانون کے تحت مقدمہ دائر ہو سکتا ہے۔ہتک عدالت کا قانون اس لئے بنایا گیا ہے کہ عوام اور خواص عدالیہ کا پورا پورا احترام کریں عدالت کے فیصلوں کی خلاف ورزی نہ ہو عدالت کی کاروائیوں میں مداخلت نہ ہو عدالت سے جاری کردہ احکامات کی پوری طرح سے تعمیل ہو کسی بھی فرد جماعت یا ادارے یا اخبار سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس سے عدالت کے رتبے کو دھکا لگتا ہو ہر عدالت کی توقیر لازمی ہے۔اپنی کسی لغزش سے یا تحریر سے صحافی عدالت کی توہین نہ کرے۔عدالت کی توہین دو طرح سے ہونی ممکن ہے۔

(الف) عدالت کے کمرے میں عدالت کی توہین

(ب) عدالت کے باہر عدالت کی توہین ۔کبھی کبھی خاص وجہ سے کسی اہم مقدمے میں اخبار نویس کو عدالت میں موجود رہنے کی ممانیت کی جاتی ہے ۔اس حکم کے باوجود اگر اخبار نویس عدالت کے کمرے میں داخل ہو جائے تو وہ توہین عدالت سمجھی جائے گی ۔بعض مقدمات میں ملزمان کی تصاویر کھینچنے کی واضح ممانت ہوتی ہے ۔ایسے حکم کے باوجود اگر پریس فوٹو گرافر بھری عدالت میں ملزم کی تصویر کھینچنے کی کوشش کرے تو اس پر ہتک عدالت کا الزام لگ جاتا ہے ۔بعض مقدمے کسی خاص وجہ سے بند کمروں میں منعقد ہوتے ہیں اور حکم شائع ہوتا ہے کہ ایسی عدالتوں کی کارروائی حد درجہ صیغۂ راز میں رہے گی ۔

اگر کوئی اخبار اپنے منفی ذرائع سے تفصیلات حاصل کر کے اخبار میں شائع کرتا ہے ۔تو اس پر ہتک عدالت کا الزام عائد ہوتا ہے ۔عدالت اپنے کسی بھی حکم کی خلاف ورزی برداشت نہیں کرتی ۔اخبار چونکہ مقدموں کی تفصیلات شائع کرتے ہیں اس لئے انہیں کافی بیداری اور احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے ۔انہیں اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ ان کے عمل کی وجہ سے عدالت جج وکیل فریقین اور گواہوں کے خلاف کوئی ہتک آمیز بات نہ شائع ہوا۔

جب معاملہ کسی عدالت کے سامنے زیر سماعت ہو تو اخبار کو چاہئے کہ اس کے بارے میں ایک لفظ بھی شائع نہ کرے کیونکہ اخبارات شائع ہونے سے پہلے عدالتی کارروائی میں تعصب پیدا ہونے کا احتمال رہتا ہے ۔ جب کوئی معاملہ عدالت میں پہنچ جاتا ہے تو وہ عدالتی معاملہ (Subjudice) کہلاتا ہے تو اس پر تنقید و تبصرہ کرنے کی کوئی بھی جرات نہ ہونی چاہئے ۔ ہندوستان میں ہتک عدالت کے قوانین کا فیصلہ کرنے کیلئے 1952ء قانون منظور ہوا جو The contouch of Court act of 1952 کہلاتا ہے ۔اس قانون کے تحت ہتک عدالت کے مجرم کو چھ ماہ تک کی سادہ سزا دی جاسکتی ہے یا جرمانہ زیادہ سے زیادہ ہزار تک عائد کیا جاسکتا ہے یا دونوں سزائیں بیک وقت دی جاسکتی ہیں اگر ہتک عدالت کا مجرم اپنی غلطی کا اعتراف کرلے اور معافی مانگ لے تو وہ الزام سے بھری کیا جاسکتا ہے ۔ ہتک عدالت کے مقدمے میں کوئی بھی مداخلتی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوسکتی ہے ۔

سنسر شپ کو اردو میں احتساب یا نظارت سرکاری طور پر کتابوں تماشوں خبروں یا دیگر معلومات کو مخرب اخلاق باغیانہ نامناسب قرار دینے والا آفیسر متعصب کہلاتا ہے ۔ پرانے زمانے میں متعصب یا سنسر اس رومی مجسٹریٹ کا عہدہ

تھا جو شہریوں کی مردم شماری اور ان کی فہرست رکھتا تھا اور اخلاق عام کی نگرانی کرتا تھا۔ گزشتہ ڈھائی سو سالوں میں تقریباً ہر جگہ سنسر شپ سے آزادی حاصل کرنے کی خواہش بڑھتی جارہی ہے۔ ہر ملک میں صحافی کی یہ دلی خواہش ہے اسے خبریں جمع کرنے اور رائے زنی کی مکمل آزادی اور خودمختاری نصیب رہے۔ غیر جمہوری حکومتوں کا اسرار ہے کہ احتساب کا سلسلہ جاری رہے۔

اٹھارہویں صدی سے لوگ وسیع نظر کے حامی ہوئے ہیں حریت پسند کا بول بالا ہے۔ مکمل آزادی کے نظریات قدیم فلسفیوں میں بھی پائے جاتے تھے۔ مگر عملی طور پر اس کے لئے 18 صدی میں مطالبات سامنے آئے عوام پر مذہب کی دیرینہ گرفت چھٹکارہ پانے کی لذت پوری اقوام میں بڑھنے لگی تجسس کا رویہ جڑ پکڑتا گیا سیکولر نظریات کی حوصلہ افزائی ہونے لگی روحانی اقدار کی جگہ سماجی کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ قبائلی زندگی سے نکل کر زیادہ تر لوگ مذہب کے طریقوں کو اپنانے لگے سائنسی معلومات کی وجہ سے فلسفیوں کی جگہ عملی تجربات کو زیادہ اہمیت ملی۔ سیاسی اور اقتصادی میدانوں میں متوسط طبقے میں زیادہ دلچسپی لے جانے لگی ان تمام پیش رفتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آزادی کے اقتدار کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا گیا۔ اس کے باوجود سنسر شپ کسی نہ کسی صورت میں برقرار رہا آزادی سے پہلے ہندوستان میں اخبارات سنسر شپ عائد کرنے کا رواج بہت عام تھا، برطانوی حکومت چاہتی تھی کہ نو آبادیاتی نظام کے بارے میں کوئی رائے زنی نہ ہو۔ جنگ آزادی کے جوش کو ختم کرنے کے لئے انگریزوں اخباروں پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے ہیں دوسری جنگ عظیم کے دوران سنسر شپ کے قوانین بہت سخت کر دیئے گئے۔ ہندوستانی اختیارات سے بڑی بھاری بھاری رقمیں ضمانت کے طور پر طلب کی جانے لگیں اور انہیں ضبط کیا جانے لگا۔ حصول آزادی کے بعد قومی ایمرجنسی کے دنوں میں بھی سنسر شپ جاری تھی اور اخبارات کو ایسے مقالے اور اداریئے سرکاری احتساب کے لئے بھیجے ہوئے تھے یا پانچویں صدی قبل مسیح میں رومن سینٹ کی جانب سے معین کردہ سنسر شپ اخلاق عادات ملبوسات اور اشیائے خورد ونوش اور نجی رویوں کی بھی نگرانی کرتے تھے۔ متعصب کو جرمانہ عائد کرنے کا حق بھی تھا بعض معاملات میں سخت سزائیں دے کر ملزمین کو جیل بھی بھیج دیا جاتا تھا۔

جدید سنسر شپ میں خیالات کی منتقلی پر زیادہ فوجہ دی جاتی ہے۔ یہ احتیاط برتی جاتی ہے کہ اخبارات اور رسائل کے ذریعے عوام میں باغیانہ اداروں کی پرورش نہ ہونے پائے۔ ہر حکومت یقین کر لینا چاہتی ہے کہ ملک میں کوئی حکومت مخالف تحریکیں نہیں چل رہی ہیں۔

بعض اوقات کسی اخبار رسالے میں کسی مخرب اخلاق یا حکومت باغیانہ مواد کے شائع ہونے پر احکامات جاری کیے جاتے ہیں کہ فلاں اخبار یا رسالے کی فلاح تاریخ کی اشاعت ممنوع قرار دی گئی ہے۔لہٰذا مذکورہ تمام پرچے باحق سرکار ضبط کر لئے جائیں۔محکمہ پولیس کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اخبار فروشوں کی دکانوں پر چھاپے مار کر اخبارات یا رسائل کی کاپیاں ضبط کر لیں کبھی کسی اخبار یا رسائل کا داخلہ کسی ریاست یا علاقے میں ممنوع قرار دیا جاتا ہے اسے عام طور پر Pre-senceship یا پیشگی احتساب کہتے ہیں۔

ہندوستان میں مشتبہ سے اجتناب کیا جارہا ہے۔سینٹرل بورڈ فلم سنسر کا نام بدل کر سنٹرل بورڈ آف فلم سرٹیفکیشن رکھ دیا گیا۔اس سے متعصب ادارے کے سرٹیفکیٹ کے بغیر کوئی فلم ملک میں دکھائی نہیں جاسکتی ہے۔حتیٰ کہ حکومت کی جانب سے تیار کئی گئی فلم ڈویژن کی دستاویزی فلمیں اور نیوز ریل بھی بغیر سنسر سرٹیفکیٹ کے دکھائی نہیں جاسکتی۔ٹیلی ویژن پر فلم دکھانے سے پہلے بھی سرٹیفکیٹ دکھانا ضروری ہے۔نئی ویڈیو فلمیں بی سرٹیفکیٹ کے بعد ہی پیش کی جاسکتی ہے۔

کاپی رائٹ

کاپی رائٹ کسی بھی مصنف کا وہ حق ہے جو تخلیق کے لئے محفوظ کر سکتا ہے۔کاپی رائٹ کے تحفظ کی نشاندہی کے لئے اردو زبان میں جملہ حقوق لکھنے کا رواج قدیم اور عام ہے کسی بھی قلم کار کو اس کے رشحات قلم کی پوری ملکیت حاصل رہتی ہے خیالات اور حقائق پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہوسکتی لیکن طرز تحریر کے لئے قانونی حفاظت کی ضمانت ہے۔

افسانے،ناول،ڈرامے،منظرنامے،کتابیں،رسالے،اخباری مضامین،ٹائپ کے،نمونے نقشے مصوری کے کارنامے عمارتوں کے نمونے،موسیقی کی دھنیں،خاکے،معمے،کارٹون،تصاویر،کشیدہ کاری کے نمونے فلمیں ویڈیو فلمیں وغیرہ کاپی رائٹ قوانین کے تحت محفوظ کی جاسکتی ہیں۔اپنی ہر تخلیقی کوشش کی مکمل اجارہ داری کے لئے ہر منصف،ادیب، شاعر،صحافی اور مکالمہ نگار ڈرامانوس،مصور موسیقی کار فلم Producer عرض کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ کسی بھی فن کار کے خون جگر سے سینچی ہوئی تخلیقات کو اپنی بتائے یا اُس کی نقل کر کے خود تو مزے اڑائے اصلی خالق کو محروم کر دے کسی بھی ایسی جعلسازی کے خلاف کاپی رائٹ قوانین کے تحت قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔

سب سے پہلا کاپی رائٹ قانون انگلستان میں ملکہ Anne کے دور حکومت میں نافذ ہوا اہم کتابوں کے

سرکہ ایڈیشن فروخت ہونے لگے تو ناشرین نے شکایت کی کہ ایسے ادبی قزاکوں سے نجات دلائی جائے چنانچہ برطانوی پارلیمنٹ نے 1709ء میں ایک قانون بنایا جس کی روح سے کتابوں کے نقلی ایڈیشن طبع کر کے فروخت کرنے پر سخت ممانعت عائد کردی گئی جس میں کہا گیا کہ ایسے سرکے سے مصنّفین اوران کے خاندانوں کی روزی پر ڈاکہ پڑ رہا ہے۔ کاپی رائٹ قانون کی غرض وغایت پر طبع کی گئی اس سے عالموں اور دانشوروں کی حوصلہ افزائی مقصود ہے۔تاکہ وہ اپنی بہتر تخلیقات عوام کے سامنے پیش کریں ہر مصنف کو حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنی تخلیقات خود بیان کروائے یا حقوق اشاعت کسی ناشر کو فروخت کرے پہلے پہل یہ حقوق چودہ سال کے لئے دیئے گئے اور پھر دوسال کے لئے حقوق عطا کیے گئے کچھ دنوں بعد یہ معیاد بھی بڑھائی گئی تاکہ جملہ حقوق مصنف کو تاحیات حاصل رہیں پھر ترمیم ہوئی کہا گیا ہر کاپی رائٹ کی معیاد بیالیس سال سے زیادہ نہ ہو، بعد میں ایک اور حکم جاری ہوا کہ مصنف کی موت کے بعد سات سال تک حقوق جاری رہیں گے۔1911ء میں کاپی رائٹ ایکٹ منظور ہوا تو اگلے تمام قوانین میں تبدیلی ہوئی اور یہ منظور ہوا کہ تمام حقوق مصنف کے انتقال کے پچاس سال بعد تک باقی رہیں گے۔ چونکہ ہندوستان میں کم وبیش تمام قوانین انگلستان کے قوانین سے ماخوذ رہے ہیں۔چنانچہ یہاں پر یہ قانون جاری ہوا کہ مصنف کی زندگی تک مصنف تمام حقوق سے استفادہ کرسکتا ہے اوراس کے انتقال کے بعد پچاس سال کی مدت تک یہ حقوق مصنف کے وارث یا وارثہ کو حاصل رہتے ہیں۔ مصنف کے انتقال کی صحیح تاریخ کے پورے پچاس سال بعد کاپی رائٹ حقوق کم ہوجاتا ہے۔اس کے بعد ہر کوئی وہ کتاب بغیر اجازت یا معاوضہ دیئے شائع کرسکتا ہے۔

کاپی رائٹ مکمل حق ہے جس کے استعمال سے مصنف اپنی تخلیقات کو کسی بھی صورت میں طبع کرسکتا ہے۔خود نقل کرسکتا ہے یا دوسروں کو نقل کرنے کی جازت دے سکتا ہے۔خود اس سے ہر طرح کا استفادہ کرسکتا ہے۔اور دیگر استفادہ کرنے والے خواہش مندوں کو مفت یا معاوضہ لیکر ضروری اجازت دے سکتا ہے۔

کاپی رائٹ ایک جاگیر یا جائیداد کی طرح ہے۔اپنے وصیت نامے سے مصنف یہ حقوق جسے چاہے دے سکتا ہے، کسی فرد، ادارہ، جماعت یا قوم کو یہ حقوق بھیجے جاسکتے ہیں۔کاپی رائٹ کے تحت ترجمہ کرنے کے لئے بھی اصل مصنف سے تحریری اجازت لینی ہوتی ہے۔کسی افسانے یا ناول پر فلم بنانے سے پہلے متعلق افسانہ نگار یا ناول نویس سے رابطہ قائم کرنا پڑتا ہے۔غزلوں اور لفظوں وغیرہ کے لئے بھی متعلقہ شاعر یا مرحوم شاعر کے ورثے کی جازت ضروری

ہے۔کسی تقریب کی رپورٹ پر نامہ نگار کا حق ہوتا ہے۔مقررہ نہیں کیونکہ رپورٹ نامہ نگار کی تخلیق ہوتی ہے عدالتوں کا فیصلہ ہے نامہ نگار کوئی سادہ عمل نہیں ہے۔رپورٹ لکھنے میں بھی نامہ نگار کو ہی ملنا چاہئے۔جو بھی تقریر کسی عام جگہ ہوتی ہے اس کی رپورٹ اخبار میں شائع کرنے کا حق نامہ نگار کو پورا پورا ہوتا ہے بشرطیکہ پیشگی اطلاع کے لئے یہ واضح ممانعت کردگی ہے کہ تقریر کا تذکرہ اخبارات میں نہ ہو۔سیاسی تقریروں کی رپورٹ شائع کرنے کی پوری آزادی ہے۔یاد رہے کہ خبروں کی کاپی رائٹ نہیں ہوتی ہر خبر پر ہر کسی کا حق ہوتا ہے لیکن یہ ضرور یاد رہے کہ خبر لکھنے کے طرز پر کاپی رائٹ قانون کا اطلاق ہوتا ہے۔سرخیوں تک کا کاپی رائٹ مضبوط کیا جاسکتا ہے۔

کسی کتاب پر تبصرہ کرتے وقت متعلق کتاب کے کسی جملے یا پیراگراف کو نقل کرنے سے کاپی رائٹ کی حق تلفی نہیں ہوتی کسی ڈرامے یا فلم کے مکالمے کو اخباری تبصرے میں شامل کرنے سے کاپی رائٹ حقوق پر ڈاکہ نہیں سمجھا جاتا تنقید وتبصرہ اور اخباری خلاصے میں کسی بھی اہم سطر یا پیراگراف کو نقل کیا جاسکتا ہے۔

ہندوستان میں کاپی رائٹ کے متعلق جو قانون آجکل نافذ ہے۔اِسے The copy right act No.14 of1957 کہتے ہیں۔یہ پندرہ ابواب پر مشتمل ہے اور اسمیں کل 79 دفعات ہیں یہ قانون 21 جنوری 1958ء سے نافذ ہے۔

اگر کوئی دو مصنّفین نے مشترکہ طور پر کوئی کتاب لکھی ہے تو جو منصف آخر میں انتقال کرے۔اس کے انتقال کی تاریخ سے کاپی رائٹ حقوق کا حساب لگایا جائیگا گمنام و بے نام تخلیقات کے سلسلے میں قوانین میں 23 دفعہ میں درج ہیں۔جن مطبوعات کے حقوق حکومت کے پاس ہیں اس کے بارے میں دفعہ 28 کا کہنا ہے کہ پہلی اشاعت کے اگلے سال کے پچاس برس بعد تک حکومت کی ملکیت باقی رہے گی۔

کاپی رائٹ act پر عمل درآمد کی خاطر چند ضروری قوانین جو پارلیمنٹ نے منظور کئے ہیں انہیں The copy right 1958 (Ruls of 1958) کہا جاتا ہے۔اس میں (9) ابواب اور دفعہ کی تعداد 28 ہے۔

ہندوستان میں نافذ ایک کاپی رائٹ ضابطہ ہے جو انٹرنیشنل کاپی رائٹ آرڈر 1958ء کہلاتا ہے یہ 21 جنوری 1958ء سے نافذ ہے۔

اکائی نمبر16: جدید صحافت اور اس کے اہم عناصر

16.1 تعارف

16.2 ہدف

16.3 جدید صحافت اور اس کے اہم عناصر

16.4 امتحانی سوالات

16.5 امدادی کتب

16.1 تعارف

صحافی اگر تربیت یافتہ ہے تو وہ موجودہ دور میں اخبار کا معیار بلند کر سکتا ہے۔ موجودہ دور کے روزناموں اور وقفہ وار جریدوں کو دیکھ کر آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ اردو صحافت نے عالم وجود میں آنے کے بعد سے دور حاضر تک خود کو زمانے کے شانہ بہ شانہ رکھا۔ ''لکڑی کا عہد'' بھی دیکھا ''پتھر'' اور ''دھات'' کا عہد بھی دیکھا اور اب جبکہ دنیا کمپیوٹر کے عہدے سے گزر رہی ہے اردو صحافت اس سے الگ نہیں ہے آج طباعت کاغذ اور رنگ کے اعتبار سے اسی معیار کی حامل ہے جو انگریزی اور ہندی کا ہے وہ دور جو اردو کا دور کہلاتا ہے اردو صحافت کی ترقی کا دور نہیں تھا جتنا آج ہے۔ پہلے بڑے بڑے جریدوں کی اشاعت پچاس ساٹھ پرچوں سے زیادہ نہیں ہوتی تھی جب کہ آج اُردو کی پوزیشن نسبتاً کمزور ہے لیکن اردو صحافیوں کا سرکولیشن سینکڑوں ہزاروں کا ہے اور تکنیکی اعتبار سے بھی مضبوط پوزیشن ہے۔

16.2 ہدف

اس اکائی میں جدید صحافت اور اس کے اہم عناصر پر روشنی ڈالنے کی سعی کی گئی ہے۔ جدید صحافت اور اس کے عناصر کیا ہیں اس کی وضاحت ہی اس اکائی کا ہدف ہے۔

16.3 جدید صحافت اور اس کے اہم عناصر

صحافت ایک بہترین ذریعہ روزگار ہے ایک اخبار نویس کو عوام کی آنکھ اور کان کہا جاتا ہے ایک اچھا صحافی ایک انجینئر کی طرح ہوتا ہے اور تخلیقی قوتوں کا مالک ہوتا ہے۔ صحافت کی ٹیکنیک کے سلسلے میں سب سے خاص بات جو ذہن نشین کرنے کی ہے وہ یہ کہ اخبار نویس خبروں کی ترتیب اور پیشکش کچھ اس طرح سے کرے کہ اخبار خوبصورت دیدہ زیب اور دلکش لگے۔ کاغذ عمدہ، کپوزنگ صاف ستھری اور اغلاط سے پاک ہو تصاوری سے اخبار مزید خوبصورت معیاری بنایا جاسکتا ہے۔ ایک اور خاص بات اخبار کی ٹیکنیک کے بارے میں یہ ہے کہ ہم کو قاری کی پسند اور ناپسند کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہئے اخبار کی ایک ٹیکنیک یہ کہ اس میں ۶۰ فیصدی مواد عوام کے مزاج اور معیار کے مطابق ہو اور باقی آپ کے اخبار کی پالیسی کے متعلق ہو۔

اب کمپیوٹر کا دور ہے اور پرنٹنگ کی دنیا میں انقلاب آچکا ہے۔ اس لئے ہم کو دورِ جدید کی ان نعمتوں سے بھرپور استفادہ کرنا چاہئے۔ جدید صحافت سے بیسویں صدی میں زندگی دلچسپیوں میں جس قدر اضافہ ہوا ہے اسی قدر صحافت میں بھی توسیع اور ترقی ہوئی ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ جب معلومات پر صرف پڑھے لکھے لوگوں کی اجارہ داری تھی۔ معلومات حاصل کرنا یا معلومات فراہم کرنا یہ صرف ایک بڑی ہی محدود طبقے کا کام یا مشغلہ ہوا کرتا تھا۔ عام انسان نہ تو اس کی طرف رخ کرتے تھے اور نہ ہی اِن کو خود اس کا احساس تھا کہ معلومات حاصل کرنا ان کا بھی بنیادی انسانی حق ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ جیسے معاشرے میں تبدیلی آتی گئی اور سیاسی سماجی نظام بدلتا رہا ویسے ہی ویسے یہ تصور عام

ہوتا گیا کہ علم حاصل کرنا یا باخبر رہنا ہر انسان کا چاہے وہ تعلیم یافتہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ بنیادی حق ہے اس تصور کو خاص طور سے اس وقت زیادہ تقویت حاصل ہوئی ہے۔ جب ایک طرف سائنس Technology کے ارتقاء نے نئے نئے علوم سے باز یافت کے دروازے کھول دیئے ہیں وہاں دوسری طرف سیاسی اور سماجی نظام میں تبدیلی کی وجہ سے جمہوری تقاضوں کے تحت یہ ضروری سمجھا جانے لگا ہے کہ صرف وہی نظام حکومت کامیاب ہوسکتا ہے جس کے چلانے والے ہی نہیں بلکہ وہ بھی جن کے لئے نظام چلایا جارہا ہے باشعور اور بیدار افراد ہوں۔ جمہوریت کے لئے تو خاص طور سے یہ شرط لگا دی گئی ہے کہ اس کی کامیابی کا راز ہی اس بات میں مضمر ہے کہ اس کے ماننے والے ہی سماجی اعتبار سے باشعور اور باخبر ہوں ان سیاسی سماجی اور سائنسی اور ٹیکنیکلی تبدیلیوں کی وجہ سے صحافت کے بارے میں بھی نظریات میں تبدیلی آئی اور اسے نظام سلطنت یا سیاسی اور سماجی نظام کا چوتھا ستون تصور کیا جانے لگا بلکہ اس ستون کو اتنی اہمیت حاصل ہوگئی کہ اس نے سلطنت کے جہاز کیلئے لنگر کی اہمیت حاصل کرلی۔ یہ انہیں تبدیلیوں کا شاخسانہ ہے کہ آج صحافت کو نظام سلطنت میں مرکزیت حاصل ہے Mass Media ایک ایسی طاقت ہے جس کے صحیح استعمال سے سماج بن سکتا ہے اور اگر غلط استعمال کیا جائے تو نیست و نابود ہوسکتا ہے۔

بیسویں صدی کو اگر سائنس کی صدی قرار دیا جاتا ہے تو اکیسویں صدی کو Mass Media کی صدی کہا جائے گا۔ جس میں صحافت کو مرکزیت حاصل ہوگی ملکوں کے ماحولیاتی نظام میں نئی نئی ایجادات کی وجہ سے ایسی ایسی موشگافیاں ہوئیں ہیں کہ صحافت نے کئی رنگ اختیار کرلئے ہیں آج ہم چشم زدن میں دنیا کے کسی کونے والے واقعہ کو سن سکتے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی دور دراز علاقے میں کوئی حادثہ ہوجائے (سیٹلائٹ Settlite کی مدد سے ساری دنیا کو آنکھ جھپکنے کے عرصے ہیں اپنی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں۔ Enter net, Email, Whastsepp, Facebook etc. اس سے بھی آگے کچھ ایسی ایجادات ہیں جنہوں نے پوری دنیا کو ایک چھوٹے سے گاؤں میں تبدیل کردیا ہے۔ یہ انہیں ہی ایجادات کا شاخسانہ ہے کہ آج ہر صبح ہم صرف چھپی ہوئی صورت میں ہی کسی اخبار کو اپنے سامنے نہیں دیکھتے بلکہ T.V سکرین پر بھی Enter net کی مدد سے پڑھ لیتے ہیں۔ اخبار کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں تو چند گھنٹے لگتے ہیں۔ Enternet اور Fax کی مدد سے وہ اسی وقت ساری دنیا میں اکسایا جارہا ہوتا ہے جب وہ پریس میں ہوتا ہے تو اس حیرت انگیز ترقی کی وجہ سے اب کچھ حلقوں میں یہ سوال ابھرنے لگا ہے کہ جب T.V

سکرین پر اخبار پڑھے جاسکتے ہیں تو انہیں پہنچانے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پر آنے والے کروڑوں روپے کے اخراجات کا بوجھ کیوں اٹھایا جائے اس سوال میں چاہئے کتنی بھی صداقت ہو اس کے باوجود چھپے ہوئے اخبار کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔

T.V سکرین پر تو صرف مختصر معلومات دی جاسکتی ہیں تفصیلات جاننے کے لئے اخبار کو پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے Mass Media اور مواصلاتی نظام میں بے پناہ ترقی کے باوجود یہ کہنا بیجا نہیں ہے کے چھپے ہوئے اخبار کی اہمیت اپنی جگہ برقرار ہے اور اسے کسی بھی صورت میں کم نہیں کیا جاسکتا چاہئے سائنس اور ٹیکنالوجی کی مزید ایجادات تیز رفتاری کے کتنے ہی کامیاب تجربے کیوں نہ کرلے۔

بیسویں صدی میں صحافت محض مشغلہ نہیں رہا اس نے ایک صنعت کا درجہ اختیار کرلیا ہے۔ اس لئے ہر صحافتی ادارے کے لئے ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ تربیت و تشکیل کے لئے ان تمام مراحل سے گزرے اور ان تمام امور کے انتظامات کرے جن کے بغیر وہ صنعت کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا، یہ صنعتی ادارہ آغاز سے ایک منصوبہ تیار کر کے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے، چنانچہ ایک صحافتی ادارے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ایک منصوبہ تیار کر کے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے ہے۔ اس کی مناسب تشکیل کر کے انتظامات کرے۔ کسی بھی صحافتی ادارے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی ترتیب و تشکیل تین شعبوں کو محفوظ رکھتے ہوئے عمل میں لائے۔ ان تینوں شعبوں کو حرف تمام میں فرنٹ شاپ (Front Shop) مڈل شاپ (Middle Shop) اور بیک شاپ (Backshop) کا نام دیا جاتا ہے۔ فرنٹ شاپ یعنی سامنے کا حصہ تجارتی شعبہ ہوتا ہے کیونکہ یہاں لین دین کا کام ہوتا ہے۔ اور وہ ساری سہولیات موجود ہوتی ہیں جن کی مدد سے لین دین کا کام پوری سرعت سے انجام پذیر ہوتا ہے اخبار کی خریداری کی رقم جمع کرنے والے اشتہارات والے ایجنٹ حضرات وغیرہ وہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ گویا یہ ایک دوکان ہے جہاں گاہکوں کا آنا جانا ضروری ہے۔ عملہ ادارت جہاں مصروف رہتا ہے انہیں درمیانی جگہ دی جاتی ہے اس حصے میں صلاحیتوں کی ہمت افزائی نہیں ہوتی۔ ادارت میں مصروف صحافی یار دوستوں کے ساتھ گپ شپ نہیں کرسکتا ہے اخبار کے مدیر ٹائپ کے مدیر اپنا کام ازادی کے ساتھ کرنا پسند کرتے ہیں۔ شعبہ ادارت میں وقت کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اس لئے اگر شعبہ تجارت میں خوش آمدید کی تختیاں لگی رہتی ہیں تو شعبہ ادارت میں تختیاں عموماً آویزاں ہوتی ہیں جن پر لکھا رہتا ہے کہ بغیر اجازت

کے اندر آنا منع ہے۔ جہاں طباعت کا انتظام ہوتا ہے اسے سب سے پیچھے رکھا جاتا ہے۔

اخبار میں جہاں کام کرنے والے تمام افراد کو ہدایت دی گئی ہوتی ہے کہ وہ دفتر کے اوقات میں مہمانوں کی آؤ بھگت نہ کریں۔ ویسے بھی شعبہ ادارت میں راز داری برتنے کا اصول عالمی سطح پر قبول کیا گیا ہے۔ تجارتی شعبے میں یہ ہدایت رہتی ہے کہ آنے جانے والوں کا استقبال کیا جائے، لیکن کام سے کام رکھا جائے غیر ضروری گفتگو میں وقت ضائع نہ ہو۔ تجارتی شعبے میں ایک محکمہ ایسا ہوتا ہے کہ جہاں عمومی معاملات کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس کو جنرل آفس کہتے ہیں یہاں مالی امور کی خریداری اور، حساب و کتاب کا انتظام ہوتا ہے۔ سرکولیشن (Circulation) کا شعبہ اشتہارات مکمل آزادی سے اپنی ذمہ داری بناتے ہیں۔ بعض بڑے اخباروں میں مختصر اشتہارات کے لئے الگ شعبہ ہوتا ہے جس کی ذمہ داری ناظم اشتہارات یعنی (Advertising) ایڈورٹائیزگ معتبر انجام دیتا ہے۔

اشتہارات جمع کرنے کے لئے بہت ملازم رکھے گئے ہوتے ہیں جو گھوم پھر کر اشتہارات جمع کرتے ہیں۔ سرکولیشن کا کام بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ جہاں متعدد حضرات مختلف کام انجام دیتے ہیں انہیں۔

Circulation Manager
City Circulation Manager
Ciculation Promortor Manager
Mail room superimtemdent

خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(ٹیکنیکل شعبہ)

شعبہ طباعت یا ٹیکنیکی صیغہ اخبار کی طباعت کا مکمل انتظام کرتا ہے اور اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ اخبار کی طباعت دیدہ زیب ہو اس شعبے میں بھی بہت سے لوگ مختلف کام کرتے ہیں۔ مثلاً

Fore man Compoisng row

ٹائپ کے لئے: Fore man

پریس کا: Fore man وغیرہ

اگر اخبار کتابت کے ذریعے شائع ہوتا ہے۔ تو اس کی ذمہ داری ہیڈ کاتب کو دی جاتی ہے۔ اسی طرح پریس

مشین کا کام کرنے والے متعدد یایعنی مستری پریس Machanic اور man ہوتا ہے۔الیکٹریشن کا انتظام بھی رہتا ہے۔اگر اخبار Off Set پر مشین ہے تو اس کی ضرورت کے مطابق پلیٹ آرٹسٹ اور پریس Operatpr رکھے جاتے ہیں۔Off-Set مشین کئی طرح کی ہوتی ہے۔اس لئے ان کا کام چلانے کیلئے ان کی ضرورت کے مطابق ملازم رکھے جاتے ہیں۔

کہنے کا مطلب ہے کہ جدید دور میں جہاں اخبار نے معلومات فراہم کرنے کے وسیلے کے طور پر اہمیت حاصل کی ہے۔وہاں ایک انڈسٹری ہونے کی وجہ سے اس کی ضروریات بھی بڑھتی گئی ہیں۔اور آج صرف وہی اخبار کامیاب اخبار قرار دیا جاسکتا ہے جو ان سب ضروریات کو پورکرتا ہے جو ایک کامیاب انڈسٹری کے لئے اہم ہیں۔اخبار کو صرف شائع کرنا ہی کافی نہیں ہے۔اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں وہ تمام مواد موجود ہو جس کی توقع آج کا انسان کرتا ہے۔مثلاً آج کا قاری جہاں دنیامیں ہونے والے واقعات کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے وہاں ایسے قاری بھی موجود ہیں جو اخبار سے ادبی تسکین حاصل کرنا چاہتے ہیں۔کچھ محض تصویروں میں دلچسپی رکھتے ہیں کچھ کھیلوں اور کچھ تمدنی پروگراموں میں کچھ صرف شادی بیاہ کے اشتہار پڑھنے تک ہی اکتفا کرتے ہیں۔اخبار کے لئے لازمی ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے ان سبھی قسم کے قارئین کے لئے تھوڑا تھوڑا مواد فراہم کریں یہی وجہ ہے کہ آج کا اخبار خبروں کے ساتھ ساتھ خبروں پر تبصرہ بھی کرتا ہے تہذیبی تمدنی اور ادبی مضامین بھی شائع کرتا ہے۔کتابوں پر تبصرے بھی کرتا ہے۔کھیل کود کی تفصیلات بھی پیش کرتا ہے ملک کی مالی کی اقتصادی مسائل سب پر بحث کرتا ہے۔یہی نہیں ریل گاڑیوں کی اور جہازوں کی آمدورفت ریڈیو۔ٹی وی سے نشر ہونے والے پروگراموں کے واقعات اور فلموں کے اشتہارات وغیرہ سب کچھ شائع کرتا ہے۔یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ آج صحافت انسانی زندگی کا سائنٹفک حصہ بن گیا ہے۔بہت سے لوگ تو ایسے ہیں جو جس دن اخبار نہیں دیکھتے تو انہیں کھانا ہضم نہیں ہوتا۔اس سے آج کے انسان اور صحافت کے رشتوں کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اکائی نمبر 17: بیسویں صدی کے کچھ اہم اخبارات اوران کی خدمات کا جائزہ

17.1 تعارف

17.2 ہدف

17.3 بیسویں صدی کے کچھ اہم اخبارات اوران کی خدمات کا جائزہ

17.4 امتحانی سوالات

17.5 امدادی کتب

17.1 تعارف

بیسویں صدی کی شروعات یعنی ۱۹۰۱ء میں شیخ عبدالقادر نے لاہور سے ''مخزن'' جاری کیا جس نے اردو ادب کی بہت خدمت کی۔ اردو کے مشہور شاعر اور تحریک آزادی کے سپاہی مولانا فضل الحسن حسرت موہانی نے ۱۹۰۳ء میں ''اردو معلیٰ'' نکالا۔ ۱۹۱۳ء تک یہ کام کرتا رہا پھر اسے بند کرنا پڑا۔ اس دوران جو سب سے اہم اخبار نکلا وہ ''زمیندار'' تھا۔ اسے منشی سراج الدین احمد نے شروع کیا تھا ان کے انتقال کے بعد اس کی ادارت ان کے بیٹے مولانا ظفر علی خاں نے سنبھالی اس کے بعد ہی اس کی شہرت کا آغاز ہوا۔ ''زمیندار'' نے لوگوں میں اخبار بینی کا شوق پیدا کیا۔ اردو اخبارات میں اس نے سب سے پہلے ''رائٹر'' اور ''ایسوسی ایٹیڈ پریس'' جیسی عالمی خبر رساں ایجنسیوں کی خدمات حاصل کیں جس کی وجہ سے اس نے ہم عصر اخبارات کو کافی پیچھے چھوڑ دیا۔

خواتین میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے اور سماجی اصلاحات کی غرض سے خواتین کا رسالہ ''عصمت'' دلی سے ۱۹۰۸ء میں جاری ہوا۔ اس دوران مولانا برکت اللہ بھوپالی نے ''اسلامک فریٹرنٹی'' کے نام سے ایک اردو رسالہ ۱۹۱۰ء

میں ٹوکیو سے بھی جاری کیا جو برطانوی حکومت کے خلاف نبرد آزما تھا۔ اور اسے دور دور تک بھیجا جاتا تھا۔ بعد میں انہوں نے ''البلاغ'' بھی جاری کیا۔

۱۹۱۲ء میں مولانا محمد علی جوہرؔ نے دہلی سے اخبار ''ہمدرد'' جاری کیا۔ یہ اخبار حکومت کا سخت نکتہ چیں تھا۔ بالآخر اسے سنسر کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کے سبب ۱۹۱۵ء میں یہ بند ہو گیا اور پھر دوبارہ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۹ء تک نکلا۔ آزادی سے قبل سب سے اہم اخبار اردو کا ''قومی آواز'' ہے۔ جو پنڈت جواہر لال نہرو کی سرپرستی اور حیات اللہ انصاری کی ادارت میں ۱۹۴۵ء میں لکھنؤ سے جاری ہوا۔ اس اخبار نے اردو میں جدید صحافت کی بنیاد ڈالی اور بہت سے معیارات قائم کئے۔

17.2 ہدف

اس اکائی میں بیسویں صدی میں منظر عام پر آنے والے اردو کے چند نمائندہ اخبارات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ بیسویں صدی میں اردو صحافت کو کن ارتقائی منازل سے گزرنا پڑا اور کون کون سے اردو اخبارات منظر عام پر آئے۔ ان سب کا تعارف اس آکائی کا ہدف ہے۔

17.3 بیسویں صدی کے کچھ اہم اخبارات اور ان کی خدمات کا جائزہ

بیسویں صدی ہندوستان کی تاریخ میں ایک انقلاب انگیز صدی کی حیثیت رکھتی ہے۔ نہ صرف جدوجہد آزادی نے اس زمانے میں شدت اختیار کی بلکہ متعدد سیاسی پارٹیوں کے پیام و پرچار کی وجہ سے قوم میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی جس نے ایک طرف قومی اتحاد کو اگر تقویت پہنچائی تو دوسری طرف انہیں ایسے مقاصد کی تکمیل کے لئے نیا حوصلہ بھی عطا کیا۔ عالمی سطح پر کئی ایک انقلابات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ایشیاء اور افریقہ کے ممالک نے مغربی ملکوں نے جس طرح لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیا تھا۔ اس نے بھی ان علاقوں کی اقوام کو یہ احساس دلایا کہ انہیں اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر اپنی نئی منزلوں کی سعی کا تعین کرنا چاہئے۔ ان حقائق کے ساتھ یہی نہیں اور دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں نے

قوموں کو ماضی کی دی ہوئی قدروں سے نجات حاصل کرنے پر اکسایا ملکی سطح پر وہ زمانہ ہے۔ جب جلیاں والا باغ میں خون ریزی واقع ہوئی سوراج اور خلافت تحریک نے جنم لیا۔

بنگال کی تقسیم نے لوگوں کو متحد کیا اور کشاں کشاں نئے راستوں کو اختیار کرنے کی طرف راغب کیا۔ یہی وہ زمانہ بھی ہے کہ جب انگریز حکومت ظلم وزبردستی کا سہارا لے کر اپنے قدم سرزمین ہندوستان میں مضبوطی سے جمانے کی کوشش بھی کی لیکن انہوں نے اس سلسلے میں جتنی زیادہ کوشش کی اتنے میں زیادہ ان کے پاؤں اکھڑتے چلے گئے۔

یہ تمام واقعات اردو صحافت کیلئے نیک شگون ثابت ہوئے اردو صحافت نے انگریزوں کے ہتھکنڈوں کو تمام کرنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور وہ ان کے خلاف پوری شدومد کے ساتھ صف آرا ہوگئی۔ اس زمانے میں انہیں واقعات کی وجہ سے اردو اخباروں میں بھی اضافہ ہوا اور ان کی اشاعت میں بھی خاصہ اضافہ ہوا اسی لئے بیسویں صدی کے اس زمانے کو اردو صحافت کا سنہری دور قرار دیا جاتا ہے۔ اس زمانے میں اخبار جاری ہوئے انہوں نے سیاسی، سماجی اور علمی وادبی ہر سطح پر کارہائے نمایاں انجام دئے۔ مثلاً 1903ء میں مولانا حسرت موہانی کا رسالہ اردوئے معلیٰ علی گڑھ سے نکلا یہ رسالہ علی گڑھ کے اس مزاج کی ترجمانی کرتا تھا۔ جیسے سرسید احمد نے پروان چڑھانے کی کوشش کی تھی۔ جس کا بنیادی مقصد قوم کو انگریز کی وفاداری کا سبق پڑھانا تھا۔ ان دنوں اخباروں نے آزادی جدوجہد میں بے مثال قربانیاں دیں ایک بیان یہ بھی ہے کہ ''انقلاب زندہ باد'' کا نعرہ مولانا حسرت موہانی کی دین تھا۔

کچھ مدت کے بعد مولانا ابوالکام آزاد نے ہفتہ وار اخبارات الہلال اور البلاغ جاری کئے۔ اردو صحافت میں خصوصاً قوم میں بیداری پیدا کرنے کی خاطر بجنور سے مولوی مجید حسن نے سہ روزہ اخبار مدینہ جاری کیا۔ جو مضامین کی بلندی خبروں کے انتخاب، خبروں کی ترکیب، عمدہ کتابت اور عمدہ طباعت کے ساتھ ہی ساتھ سستا ہونے کی وجہ سے سارے ملک میں مشہو ہوگیا۔ 1930ء کے بعد اسے روزانہ کردیا گیا۔ لیکن مرکز سے دور ہونے کی وجہ سے یہ روزانہ صحافت کی ذمہ داری بخوبی انجام نہ دے سکا۔ اس لئے کچھ مدت کے بعد یہ سہ روزہ اخبار بن گیا۔ اس اخبار کے ایڈیٹروں میں بڑے بڑے نام شامل ہیں۔

مثلاً قاضی عدلیل احمد عباسی جنہوں نے مولانا حسرت موہانی کی وجہ سے صحافت میں قدم رکھا لیکن 1922ء لاہور جاکر زمیندار کے ایڈیٹر ہوگئے۔ ان کے علاوہ حامد اللہ انصاری، نصراللہ خان عزیز، ابوسعید بزمی بھوپالی، بدرالحسن

جلالی حمد احسن، اور قدوس صہبائی بھی مدینہ کے ایڈیٹر رہے۔ قدوس بھوپالی بعد میں روزانہ ہند کلکتہ خلافت بمبئی کے ایڈیٹر بھی رہے، انہوں نے آخر میں پشاور جا کر روزانہ کوہستان کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ اسی زمانے میں مولانا ظفر علی خان نے زمیندار کو لاہور سے روزنامے کے طور پر نکالنا شروع کیا۔ زمیندار نے 1910ء سے 1930ء تک آزادی کی تحریک کی زبردست خدمت انجام دی اور انگریز قوم کی خامیوں کے پرخچے اڑا دئے۔ اس اخبار نے اپنی پالیسیوں کی وجہ سے کئی مشکلات کا سامنا کیا لیکن مولانا ظفر علی نے کسی بات کی پراوہ نہیں کی اور آخر دم تک اس اخبار کو نکالتے رہے۔ اسی زمانے میں مولانا احمد علی جوہر نے ''ہمدرد'' جاری کیا جس کی Circulation زمیندار کے بعد سب سے زیادہ تھی۔ لاہور سے انہی دنوں ایک اور معیاری اخبار انقلاب جاری ہوا۔ اسے انگریزی نواز Unioniest Party نے نکلوایا تھا۔ جس کے روح رواں سر سکندر حیات خان تھے۔ وہ اس وقت پنجاب کے وزیر اعظم تھے۔ اخبار کے ساتھ اس وقت اردو کے دو مشہور اہل قلم غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک بھی جڑے ہوئے تھے۔

جو مولانا ابوالکلام آزاد کے زبردست حمایتی تھے۔ ''ہمدرد'' کے علاوہ مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی بمبئی سے خلافت جاری کیا جو شروع میں قوم پرست اخبار تھا۔ مگر بعد میں مسلم لیگ کا حامی ہو گیا۔ اس اخبار کے ساتھ اس وقت کے نامور ادباء اور صحافی وابستہ رہے۔ 1930ء کے آس پاس جن اردو اخباروں نے قوم کی شاندار خدمات انجام دیں ان میں سیاست کا نام سرفہرست ہے۔ اس کے مالک اور ایڈیٹر سید حبیب تھے۔ جو فوجی ملازمت ترک کر کے صحافت کے میدان میں اترے تھے۔ یہ بھی انگریزوں کی شدید مخالفت کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہوے لیکن کلکتے میں انگریزوں سے ٹکراتے رہے اور لاہور آ کر سیاست نکالا پھر اس کے چنوتیوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ جس نتیجہ اخبار کے بند ہونے کی صورت میں نکلا لیکن سب کچھ ہونے کے باوجود موصوف نے اپنی روش کو ترک نہیں کیا۔ اسی زمانے کا ایک اور اہم روزانہ اخبار ہند ہے جس کو مولانا آزاد کے صحافتی رفیق مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے نکالا تھا۔ یہ اخبار فرقہ پرستی کا بڑی بہادری سے مقابلہ کرتا رہا۔ 1947ء میں عبدالرزاق ملیح آبادی روزنامہ ہند سے علیحدہ ہو کر انہوں نے ہفتہ وار اخبار اجالا جاری کیا۔ جو آج تک کامیابی سے نکل رہا ہے۔ انہوں نے مولانا آزاد کے مشورے سے کلکتہ سے اخبار جمہور نکالا۔ لیکن وہاں زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے۔ اس لئے حیدرآباد جا کر روزنامہ پیام جاری کیا۔

آزادی کے بعد انجمن ترقی اردو کے سیکٹری ہوکر علی گڑھ چلے آئے ۔آخری دم تک انجمن کے جریدے ہماری زبان میں لکھتے رہے۔ جمعیت علمائے ہند نے ایک اخبار الجمعیت نکالا اس کے ایڈیٹر مولوی ابواعلی مودودی تھے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے حیدرآباد جا کر اپنا مشہور رسالہ ترجمان القرآن نکالا۔اس صدی میں کچھ اور اردو اخبار ایسے ہیں کہ جن کی اردو صحافتی خدمات کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ ان میں روزانہ ملاپ پرتاب، روزانہ تیج روزانہ قومی آواز، روزانہ انقلاب ہندوستان، آفتاب، جمہوریت اور اقبال قابل ذکر ہیں۔ان میں سبھی اخباروں میں انقلاب، ملاپ، پرتاب، روزانہ تیج اور قومی آواز اب تک جاری ہیں مجموعی اعتبار سے یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ بیسویں صدی میں اردو صحافت نے خاطر خواہ ترقی کی منزلیں طے کیں اور نا مساعد حالات کے باوجود اردو صحافت کے معیار کو بلند کرنے کی کوشش کی ہے۔

17.4 نمونہ برائے امتحانی سوالات

---

1 بیسویں صدی میں اردو صحافت کے ارتقاء پر روشنی ڈالیے

2 بیسویں صدی کے چند نمائندہ اردو اخبارات کا تعارف پیش کیجئے

17.5 امدادی کتب

---

1 اردو صحافت ۔مرتب انور علی دہلوی

2 اردو صحافت کا سفر۔گربچن سنگھ

3 اردو صحافت سمت و رفتار۔ڈاکٹر اعجاز حسین شاہ

اکائی نمبر 18: ادبی صحافت کا آغاز

18.1 تعارف
18.2 ہدف
18.3 ادبی صحافت کا آغاز
18.4 امتحانی سوالات
18.5 امدادی کتب

18.1 تعارف

''جام جہاں نما'' اردو کا اولین مطبوعہ اخبار ہے جو ۲۷/ مارچ ۱۸۲۲ء کو کلکتہ سے جاری کیا گیا تھا۔اس کے ایڈیٹر منشی سدا سکھ مرزا پوری اور ملک ہری ہردت تھا اور یہ ولیم ہوپکنس پمئیرس کے مشین پریس سے چھپتا تھا۔ یہ ایک ہفتہ وار اخبار تھا۔اخبار میں مذہبی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی خبروں کے علاوہ جدید علوم وفنون سے متعلق مضامین اور خبریں شائع ہوتی تھیں۔اس کے علاوہ شعروشاعری کو بھی جگہ دی جاتی تھی۔

انیسویں صدی کے نصف حصے یا پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل تک ہندوستان کے مختلف شہروں سے متعدد اخبارات جاری ہو چکے تھے۔اس صدی کی تیسری دہائی میں جو سب سے بڑا اخبار سامنے آیا وہ ہے'' دہلی اردو اخبار'' جسے ۱۸۳۶ء میں اردو کے مشہور انشاء پرداز مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر نے جاری کیا تھا۔ایک زمانے تک اسی اخبار کو اردو کا پہلا اخبار سمجھا جاتا رہا۔ اسی دوران ایک اور اخبار ''خیر خواہ ہند'' مرزا پور سے جاری ہوا۔ اتر پردیش کا یہ پہلا اردو اخبار ہے ۔ چوتھی دہائی میں مزید کئی اخبارات سامنے آئے ۱۸۴۱ء میں دلی سے ''سیدالاخبار'' ۱۸۴۱ء میں'' آئینہ گیتی نما'' سید اولاد علی کی ادارت میں جاری ہوا۔اس کے بعد مدارس سے ۱۸۴۲ء میں

''جامع الاخبار'' تسلیم کیا جاتا ہے۔ اوراس زمانے میں یہ ایک بہتر اخبار تھا جو انگریزی اخبارات کے طرز پر شائع ہوتا تھا۔ جدید علوم کے فروغ میں ''قدیم دلی کالج'' کی بیش بہا خدمات رہی ہیں۔ (۱۸۴۵ء) میں اس دلی کالج سے بارہ صفحات پر مشتمل ہفتہ وار اخبار ''القرآن السعدین'' کے نام سے جاری ہوا اس کے ایڈیٹر لال جی تھے۔ اس کے علاوہ اسی سال میرٹھ سے ''جام جمشید'' بابو شیو چندر ناتھ کی ادارت میں اور بریلی سے مولوی عبدالرحمٰن کی ادارت میں ''عمدۃ الاخبار'' جاری ہوا۔

''صدر الاخبار'' کو آگرہ میں اردو کا پہلا اخبار تصور کیا جاتا ہے جو ۱۸۴۶ء میں جاری ہوا تھا۔ مارچ ۱۸۵۷ء میں ''معدن الاخبار'' اور ''عیار الاخبار'' لکھنؤ سے جاری ہوئے۔ لکھنؤ کے ان اخبارات کی زبان مقفیٰ، رنگین اور اسلوب نگارش پر تکلف ہوا کرتی تھی۔

18.2 ہدف

اس اکائی میں ادبی صحافت کے آغاز پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ ادبی صحافت کیا ہے؟ اس کا آغاز کب ہوا؟ اور کون کون سے ادبی اخبارات ورسائل ادبی صحافت کے زمرے میں آتے ہیں۔ ان سب کا تعارف اس اکائی کا ہدف ہے۔

18.3 ادبی صحافت کا آغاز

اردو صحافت کا آغاز 1822ء میں کلکتہ سے جام جہاں نما ہفتہ وار کی اشاعت سے ہوا۔ اس کا بنیادی مقصد قارئین کو معلوم فراہم کرنے کے ساتھ ہی ساتھ عصر حاضر کے مسائل سے بھی روشناس کرتا تھا۔ ادبی صحافت سے قدر مختلف چیز ہے۔ اس لئے اس کا آغاز اردو صحافت کے آغاز سے 30 چالیس سال بعد ہوا۔ اس کے آغاز کا سہرا بھی اردو کے ان اخباروں کے سر ہے جن کو اردو کی جنم بھومی یا اردو کا گہواہ قرار دیا جاتا ہے۔ یعنی گنگا اور جمنا کے بیچ کا علاقہ

اس علاقے کو اردو کی جنم بھومی کے ساتھ ہی ساتھ اردو زبان وادب کے ارتقا کا مرکز بھی قرار دیا جاتا ہے۔

ادبی صحافت کو وجود میں لانے کی ابتدائی کوشش قدیم دہلی کالج میں انجام دی گئیں۔اس کالج میں اردو کی ترقی کے لئے اور دوسری مقامی زبانوں کو فروغ دینے کے لئے ایک سوسائٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔چنانچہ اس سوسائٹی نے 1847ء میں محبّ ہند کے نام سے ماسٹر رام چندر کی ادارت میں ایک رسالہ جاری کیا۔ماسٹر رام چندر کالج میں حساب کے پروفیسر اور سوسائٹی کے بڑے سرگرم رکن تھے۔ماسٹر رام چندر چونکہ بڑے ذہین آدمی تھے اس لئے انہوں نے اس رسالے میں اردو شاعروں اور ادیبوں پر مضمون شائع کر کے اردو میں ادبی صحافت کی بنیاد رکھی اور اس رسالے کی کامیابی کو دیکھتے ہوئے کلکتہ کالج کے منتظمین نے دو اور رسالے (قرآن السیدین) اور فوا ہدالناظرین 48-1847ء کے آس پاس جاری کئے۔ان رسائل میں ادبی مضامین کے ساتھ ہی ساتھ اور دوسرے مضامین سے متعلق بھی مقالے شائع کئے جاتے تھے۔تاہم یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ قدیم دہلی کالج سے شائع ہونے والے یہ ادبی رسائل جزوی اعتبار سے ادبی تھے۔مکمل طور پر ادبی رسائل جاری کرنے کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب سے گلدستے شائع کرنے کی روایت شروع ہوئی۔جن میں زیادہ شعر یا صرف غزلیں ہی شائع کی جاتی تھیں یہ رسائل اکثر ایسے موقع پر شائع کئے جاتے تھے۔جب کوئی مشاعرہ ہوتا۔چنانچہ مشاعرے کے موقعے پر پڑھے گئے کلام کو شائع کر کے گلدستے کے عنوان سے شائع کر کے خاص وعام تک پہنچایا جاتا تھا۔اس طرح کے کئی گلدستے 1850ء سے پہلے دہلی میں شائع کئے گئے۔اس طرح کا سب سے پہلا گلدستہ گل رعنا کے عنوان سے 1845ء میں مولوی عبدالحلیم نے شائع کیا۔بعد میں یہ روایت لکھنؤ میں پہنچی جہاں اسے بہت تقویت ملی۔

ان حکومتوں میں شروع کی گئی روایت کو آگے بڑھانے کا کام سرسید کے تہذیب الاخلاق نے انجام دیا اس رسالے میں سرسید احمد نے ادبی اور تنقیدی مضامین شائع کر کے ادبی صحافت کو مضبوط بنیاد فراہم کرنے کی کوشش کی۔اب تک ادبی صحافت کے ذریعے زیادہ شعری تخلیقات ہی پیش کی جاتی تھی۔ان پر مضامین لکھے جاتے تھے مولانا عبدالحلیم شرر نے 1887ء میں ولگداز جاری کر کے ایک نئی روایت شروع کی یعنی اب شاعری کے مقابلے میں نثر کو ترجیح دی جانے لگی نثری تخلیقات کے ساتھ ہی ساتھ ان پر تنقیدی اور تخلیقی مضامین شائع کرنے کا سلسلہ شروع ہوا اسی کے بعد میں عبدالحلیم کے اپنے ناول قسط وار بھی شائع ہوتے رہے۔ اسی زمانے میں اس دور کے ایک اور مایہ ناز ادیب رتن

ناتھ سرشار نے ایک رسالہ خُم خانہ شرر کے نام سے جاری کیا اس میں بھی صرف ناول قسط وار شائع ہوتے تھے۔

ادبی صحافت کو اس وقت مزید ترقی کے مواقع حاصل ہوئے جب لکھنؤ پنچ کے نام اخبار و رسائل جاری ہونے لگے۔ان اخباروں میں طنزیہ اور مزاحیہ مضامین اور تخلیقات شائع ہوتی تھیں۔ان تخلیقات یا مضامین کا مقصد سماج کی اصلاح کرنا تھا۔اسی زمانے میں 1855ء میں پورے مذاق کے عنوان سے ایک رسالی جاری ہوا اس نے بھی ادبی صحافت کو تقویت پہنچائی ایک اندازے کے مطابق اس زمانے میں تقریباً چالیس کے قریب رسائل و جرائد جاری کئے گئے۔جن کا بنیادی مقصد ادبی صحافت کو پروان چڑھانا تھا۔لیکن رسائل اور اخبارات میں سب سے زیادہ اہمیت اودھ پنچ کو حاصل ہے جس کو 1877ء میں سجاد حسین نے لکھنؤ سے جاری کیا۔اسی زمانے میں سرسید پر طنزیہ اور مزاحیہ مضامین بھی شائع ہوتے تھے اور سرسید کی اس پالیسی کی شدید مخالفت کی جاتی تھی۔جس کی روح سے مسلمانوں کو قومی سیاست میں حصہ لینے کا مشورہ دیا جاتا تھا۔

اس دور میں ایک اور اہم رسالہ زمانہ تھا جو 1903ء میں بریلی سے نکلا لیکن بعد میں کانپور منتقل ہو گیا۔اس کے ایڈیٹر منشی دیا نرائن نگم تھے۔اس ادبی رسالے کو عہد ساز رسالے کا درجہ حاصل ہے۔اس رسالے نے اس زمانے کے مشاہیر ادیبوں کی خدمات حاصل کر کے ادبی صحافت کو فروغ دیا اور نظم ونثر دونوں میں ادبی صحافت کو پروان چڑھایا زمانے کے اجراح کے چند مہینوں بعد مولانا حسرت موہانی نے اردوئے معلیٰ جاری کیا۔یہ رسالہ علی گڑھ سے نکلتا تھا اور یہ بھی 1903ء میں شروع ہوا۔اس میں نظم ونثر دونوں شائع ہوتے تھے۔اس رسالے نے جدوجہد آزادی میں بھی بڑا کردار ادا کیا۔اسی سال مولانا ابولکلام آزاد نے اپنا ماہوار رسالہ لسان الصدق 1903ء میں جاری کیا جو ادبی اور سماجی رسالہ تھا۔

اس رسالے نے بھی اردوئے معلیٰ کی طرح قوم کی اصلاح کی طرف زیادہ توجہ دی اسی زمانے میں مولانا شبلی نعمانی نے لکھنؤ سے (الندو) جاری کیا اس میں ادبی مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔یہی کام بعد میں مولانا ابولکلام آزاد کے ایک دوسرے اخبار الہلال نے 1912ء میں انجام دیا۔

مخزن اور زمانہ دونوں کی قائم کی گئی روایت کو ادیب 1910ء نے آگے بڑھایا یہ الہ آباد سے اردو کے مشہو شاعر نوبت رائے کی ادارت میں نکلتا تھا پیارے لال شاکر اور عصر عظیم آبادی نے لکھنؤ سے العصر 1913ء اور صبح

امید 1918ء میں جاری کئے ۔العصر کو بعد میں پیارے لال شاکر اور صبح امید کو برج نرائن چکبست نے اور الناظر کو مولوی ظفر الملک نے بام عروج تک پہنچایا ان لوگوں نے ان رسائل میں اعلیٰ پائے کی تخلیقات اور تنقیدی مضامین شائع کئے۔ 1921ء میں انجمن ترقی اردو ہند جو 1903ء میں قائم ہو چکی تھی نے شبلی نعمانی کی ادارت میں اپنا ادبی و تخلیقی رسالہ اردو جاری کیا یہ اب بھی اردو ادب کے نام سے مسلسل نکل رہا ہے۔

1922ء میں نیاز فتحپوری نے اپنا ماہوار رسالہ نگار آگرہ سے شروع کیا جو 1927ء میں لکھنؤ منتقل ہو گیا۔ یہ اپنے دور کا سب سے اہم رسالہ تھا۔اس نے ادب کی نئی اقدار اور معیار کو پیدا کرنے کا کام انجام دیا۔ اب تک ادبی صحافت بام عروج تک پہنچ چکی تھی۔اسی لئے ادبی صحافت کے لئے اسے سنہری دور کا نام دیا جاتا ہے۔اس دور کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں دہلی ''ساقی'' اور تنویر لکھنؤ سے فروغ اردو آگرہ سے نقال بھوپال سے افکار اور جادو پٹنے سے جیح نو اور معاصر حیدرہ آباد سے سب رس اور صبا بمبئی سے ایشیا شاعر نوائے ادب اور نیا ادب رسائل جاری ہوئے۔لیکن اس دور میں جہاں تک ادبی صحافت کا تعلق ہے لاہور وہ جگہ ہے جسے مرکز قرار دینا چاہئے اور جہاں نیرنگ خیال، عالمگیر، ہمایوں ادبی دنیا، شاہکار، ادب لطیف اور سویرا جیسے ادبی رسائل جاری کئے گئے۔ان میں بہت سے رسائل پاکستان بننے کے بعد جاری رہے۔ اور کچھ اب تک جاری ہیں۔ کچھ رسائل جو آزادی کے پہلے ادھر ہندوستان میں نکلتے تھے۔وہ آزادی کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے ان میں ساقی افکار اور نگار قابل ذکر ہیں۔

تاہم یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ آزادی کے بعد ہندوستان میں کئی نئے رسائل نے اس قدر خلا کو پر کرنے کی کوشش کی جو کچھ رسائل کے پاکستان منتقل ہو جانے کے بعد ہو گیا تھا۔آج ہندوستان میں سب سے زیادہ اردو اخبار اور رسائل ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ مدت تک اردو ادب میں قابل قدر اضافہ کر کے بند ہو گئے۔ان میں شاہراہ دہلی، تحریک دہلی، تحریر دہلی، گفتگو بمبئی، شاہکار الہ آباد، اور کتاب لکھنؤ قابل ذکر ہیں۔

آزادی کے بعد بہت سی اردو اکادمیوں اور سرکاری اداروں نے بھی رسائل جاری کئے۔ان میں آج کل، نئی دہلی، دلی دہلی، نیا دور اور کیڈیمی لکھنؤ زبان و ادب پٹنہ شیرازہ اور تعمیر سرینگر اور امکان بمبئی آندھر پردیس اور قومی زبان حیدرآباد، پاسبان، چنڈی گڑھ تعمیر، ہریانہ چنڈی گڑھ اور ایوان اردو قابل ذکر ہیں ان کے علاوہ دہلی سے کونسل برائے فروغ اردو نے بھی دو رسالے اردو دنیا اور تحقیق و تنقید جاری کئے۔

مندرجہ ذیل بالا تصریحات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اردو ادبی صحافت بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور آئے دن ایسے رسائل شائع کئے جا رہے ہیں کہ جن کا مقصد تحقیق وتنقید کو فروغ دینا ہے اس سب کوششوں سے ملک کی یونیورسٹیوں میں اردو شعبوں کا کام بھی کسی سے کم نہیں ہے اکثر شعبے سہ ماہی یا شش ماہی تحقیقی جرائد شائع کرتے ہیں جس سے شعبوں کی تحقیقی کاوشوں کو شائقین تک تک پہنچانے کا کام بحسن خوبی انجام دیا جاتا ہے۔

18.4 امتحانی سوالات

---

1 ادبی صحافت کے آغاز وارتقاء پر روشنی ڈالیے۔

2 چند اہم ادبی اخبارات ورسائل کا تعارف پیش کیجئے۔

18.5 امدادی کتب

---

1 اردو صحافت۔مرتب انور علی دہلوی

2 اردو صحافت کا سفر۔گربچن سنگھ

3 اردو صحافت سمت ورفتار۔ڈاکٹر اعجاز حسین شاہ

اکائی نمبر 19: خبر رساں ایجنسیوں کا اردو صحافت میں کردار

19.1 تعارف
19.2 ہدف
19.3 خبر رساں ایجنسیوں کا اردو صحافت میں کردار
19.4 امتحانی سوالات
19.5 امدادی کتب

19.1 تعارف

خبر رساں ایجنسی سے مراد ایسی ایجنسی ہے جو اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ کو خبریں اور ضروری اطلاعات بروقت مہیا کرتی ہے۔ اسے خبر رساں ادارہ بھی کہا جاتا ہے۔ U.N.I، ہندوستان سماچار اور سماچار بھارتی وغیرہ ایسی ایجنسیاں میں جو اردو صحافت کو بروقت خبریں اور ضروری اطلاعات مہیا کرتی ہیں۔ ہمارے اردو اخبارات کو زیادہ تر خبریں ان ہی ایجنسیوں سے موصول ہوتی ہیں۔

6.2 ہدف

اس اکائی میں خبر رساں ایجنسیوں کا اردو صحافت میں کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اردو اخبارات کو کن

ایجنسیوں سے خبریں اور ضروری اطلاعات مہیا ہوتی ہیں اور ہندوستان میں کون کون سی خبر رساں ایجنسیاں متحرک ہیں ان سب کی معلومات اس اکائی میں تفصیل سے دی گئی ہے۔

19.3 خبر رساں ایجنسیوں کا اردو صحافت میں کردار

خبر رساں اجنسی ایک ایسا ادارہ ہے جو خبر پیشہ وار نہ سطح پر جمع کرتا ہے اور اپنے خریدار اخبارات کو خبریں فراہم کرتا ہے۔ آج کل ہر اخبار میں شائع ہونے والی 70 تا 80 فی صد خبریں مستند خبر رساں ایجنسیوں کو معرفت موصول ہوتی ہیں۔ شروع شروع میں خطوط کے ذریعے یہ ایجنسیاں خبریں فراہم کرتی تھیں بعد میں تار برقی کا رواج ہوا۔ اور بیشتر خبریں تار سے بھیجی جانے لگیں۔ آج کل پرنٹر، فیکس، ای۔میل، ٹیلی فون، موبائل فون، فیس بک، واٹس اپ وغیرہ جیسے جدید Software سے خبریں بھیجنے کا رواج عام ہے۔

تقریباً ہر بڑے ملک میں نیوز ایجنسیاں قائم ہیں۔ لیکن کمیونسٹ ممالک میں خبر رساں ایجنسیاں حکومت کی ملکیت ہیں چونکہ ایجنسیوں کو ہزار خریدار مل جاتے ہیں جس سے انہیں خاصا فائدہ ہوسکتا ہے۔ یہ ایجنسیاں ں بڑے سستے داموں پر فون پر خبریں فراہم کرتی ہیں۔ آج کل بہت سی ایجنسیاں بڑے اداروں کی شکل اختیار کر گئیں ہیں۔ اور ان کی شاخیں ہمیں دنیا بھر میں نظر آتی ہیں۔

چنانچہ اوپر کہا گیا ہے کہ آج کل اخبارات میں چھپنے والی خبروں کا ایک بہت بڑا حصہ ایجنسیوں کا فراہم کیا ہوا ہوتا ہے۔ جس ان کا آغاز ہوا تھا تو ایجنسیاں صرف بازار کے بہاؤ ایک مقام سے دوسرے مقام تک تیز رفتار سے پہنچتی ہیں۔ چنانچہ ان خبر رساں ایجنسیوں کے اب سے پہلے سرپرست یہی تاجر لوگ تھے۔ جو اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لئے بیرونی منڈیوں کے نخرخ حاصل کرنے کیں دلچسپی رکھتے تھے۔

فرانس کی (Havas) نیوز ایجنسی مانی جاتی ہے۔ یہی ایجنسی کچھ تبدیلی اور غیر معمولی ترقی کے ساتھ A.F.P. یعنی (Ahenee France Presse) نام سے آج بھی دنیا بھر میں سرگرم عمل ہے۔ خبر رساں ایجنسیوں میں زیادہ تر شہرت (Ruter New Agency) نامی ایک ایجنسی کے ذریعے خبریں فراہم ہوتی تھیں۔

اس کے بعد United Press of India نامی ایجنسی نے بھی کافی شہرت حاصل کی (Free Press India (FPI) بمبئی میں شروع ہوئی جس کے ذریعے آزادی کی جنگ سے متعلق خبریں زیادہ مقدار میں فراہم ہوتی تھیں۔ مسلم مسائل کی تشہیب کی غرض سے Orient Press of Iandia نامی ایک ایجنسی تقسیم ملک تک بہت معروف تھی۔ Intemational News Agency Prees Bearurea وغیرہ کی چھوٹی موٹی ایجنسیاں اس میدامیں مصروف تھیں۔ ریڈیواسٹیشن اور ٹیلی ویژن مراکزکو بھی خبریں زیادہ سے زیادہ مقدار میں نیوزایجنسیوں کووساطت ہی فراہم ہوتی تھیں۔ کئی بڑے تجارتی ادارے بھی آج کل نیوزایجنسیوں کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ بڑے ہوٹلوں میں پرنٹر لگے ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعے تازہ ترین خبریں مہمان گاہکوں کودی جاتی ہیں۔ نیوزایجنسیوں کی جانب سے فراہم ہونے والی خبروں کی اہمیت کے پیش نظر میں بھی ٹیلی پرنٹرنسب کئے گئے۔ ہر ریاست میں وزیرعلیٰ اوروزیرداخلہ کے دفاتر میں ٹیلی پرنٹر موجود ہیں۔ تاکہ تازہ ترین خبروں سے مسلسل واقفیت حاصل ہوتی رہے۔ ہندوستان کی کئی یونیورسٹیوں کے شعبہ جات صحافت میں ٹیلی پرنٹر کے ذریعے PVI یا UNI کی خبریں حاصل کرنے کا اہتمام ہے۔

خبررساں ایجنسی کی خبریں عموماً تعصب سے پاک ہوتی ہیں۔ کیونکہ تمام اخبارات میں تقریباً ایک ہی مواد چھپا جاتا ہے۔ خبررساں ایجنسی کی جانب سے سرخیاں مہیانہیں کی جاتی۔ آج کی دنیا خبروں کی بھوکی اور معلومات کی پیاسی ہے۔ جمہوریت میں روزمرہ کی بدلتی ہوئی باتوں کے علم کے بغیر عام زندگی تشنہ رہ جاتی ہے۔ ہرشہری زیادہ سے زیادہ اطلاعات جاننے کا خواہاں رہتا ہے۔ حاصل کی ہوئی معلومات پراصلی باشندوں کے غوروفکر کا انحصار ہے۔ جوبھی اہم فیصلے جمہوری حکومتوں یاعوامی اداروں میں ہوتے ہیں۔ وہ عام طور پر معلومات کی بناپر ہوا کرتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں کسی بھی بات کی وضاحت بہت اہم سمجھی جاتی ہے۔ مستندخبریں جمع کرکے اخبارات وغیرہ کوفراہم کرنے کی ذمہ داری خبررساں ایجنسیوں نے سنبھال رکھی ہے۔ جب کہ سنڈیکیٹ ادارے ایک خوشگوار حدتک رائیں اورتبصرے مہیا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ یہ دونوں ادارے موجودہ دور میں ابلاغ کے ذرائع کے لئے ناگزیر ثابت ہوچکے ہیں۔ آج کل ان کے بغیر روزانہ اخبار کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

حالانکہ انیسویں صدی کے شروع ہی سے خبررساں ایجنسیاں سرگرم عمل ہیں۔ مگرانہیں زیادہ خدمت ترقی

اورمقبولیت کے مواقع ٹیلی گراف کی ایجاد کے بعد ملے بعد میں کئی ایسی تبدیلیاں ہوگئیں جس سے خبروں کی ترسیل میں مزید تیز رفتاری آ گئی ہے۔ جدید سے مدید برقیاتی آلات نے آج کل خبروں کی ترسیل کو بہت احسان اور برق رفتار بنادیا گیا ہے۔ الفاظ کوایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے کے لئے نت نئی ایجادات ہورہی ہیں جس سے خبررساں ایجنسیوں کی کارکردگی بھی بہتر سے بہتر ہوتی چلی جارہی ہے۔

19.4 نمونہ برائے امتحانی سوالات

---

1 اردوصحافت میں خبررساں ایجنسیوں کے کردار پر روشنی ڈالیں۔

2 ملک اور بیرون ملک کی چند اہم خبررساں ایجنسیوں کا تعارف پیش کریں۔

19.5 امدادی کتب

---

1 اردوصحافت۔مرتب انورعلی دہلوی

2 اردوصحافت کا سفر۔گربچن سنگھ

3 اردوصحافت سمت ورفتار۔ڈاکٹراعجاز حسین شاہ

اکائی نمبر 20: خبر کی تحریر کے اصول وضوابط خبر بندی کے اصول

خبر، واقعات اور حادثات کا صرف سیدھا سادہ بیان ہی نہیں ہے بلکہ ان واقعات کی تہہ میں پہنچ کر اس واقعہ یا حادثہ سے متعلق تمام ضروری تفصیلات معلوم کرنا اور اس کے پس منظر اور سیاق وسباق کی روشنی میں اس کا مکمل جائزہ لینا بھی خبر نویسی کے لئے ضروری ہے اور مذکورہ بالا متعلقہ تفصیل کی روشنی میں خبر لکھنا ایک صحافی کی اہم ذمہ داری ہے،۔
کسی جدید اخبار کی کوئی خبر اگر پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں مندرجہ ذیل چھ یا اس میں سے چند سوالات کا جواملتا ہے۔

۱۔ کیا؟
۲۔ کس نے؟
۳۔ کب؟
۴۔ کہاں؟
۵۔ کیوں؟
۶۔ کیسے؟

جب تک نامہ نگار ان سوالات کی تصدیق نہیں کرلے گا اس وقت تک خبر معتبر نہیں ہوگی۔ ان اصولوں کو انگریزی صحافت میں پانچ ڈبلیو (W) اور ایک ایچ (H) کا اصول کہا جاتا ہے اور ہندی یا پنجابی میں اسے بالترتیب چھک یا (کا) کا اصول کہا جا سکتا ہے۔ اسے چھ کا فی اصول بھی کہا جاتا ہے۔ خبر بندی کا اصول ہے کہ نامہ نگار خبر لکھتے وقت اپنے ذاتی تاثرات، ردعمل، اپنی رائے وغیرہ شامل نہیں کرے گا۔ جس خبر میں نامہ نگار اپنی رائے تاثرات وغیرہ کا اظہار کرے گا وہ خبر سے زیادہ تبصرہ، اداریہ یا مضمون سمجھا جائے گا۔ کسی بھی خبر کو لکھتے وقت نامہ نگار کو اپنے جذبات پر قابو رکھنا چاہئے۔ اپنے جذبات کا اظہار کرنا۔ اپنے جذبات کو شامل کرنا اس پر اپنے صحافتی مقاصد یا فرائض کو قربان کرنا ہے۔ لہٰذا نامہ نگار کو اس سے پرہیز لازمی ہے۔ یہ خبر بندی کے اصول کی نہ صرف خلاف ورزی ہے بلکہ یہ صحافتی بے ایمانی یا بددیانتی کے زمرے میں آتا ہے۔ آزاد صحافت کی یہ بدترین خلاف ورزی ہے۔ ہندوستان کے اخبارات میں یہ

صورت ایمرجنسی کے زمانے (۲۶ جون ۱۹۷۵ءتا جنوری ۱۹۷۷ء) تک کے اخباروں میں پائی جاتی ہے۔

اردو میں جس کے لئے خبر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ انگریزی میں اس کے لئے News کی اصطلاح مستعمل ہے۔ قواعد کی روح سے انگریزی میں نیوز جمع ہے۔News کی لیکن جب اس لفظ کو اصطلاح کے طور پر انگریزی میں استعمال کیا جاتا ہے تو یہ مفرد ہو جاتا ہے۔یعنی واحد کے معنی دیتا ہے مثلاً جب انگریزی میں کسی شے کو نیوز قرار دیا جاتا ہے ۔تو اس کے معنی ایک خبر کے ہوتے ہیں۔ اسی مناسبت سے کاغذ کے ایسے تختے یا تختوں کے مجوعے کو جس پر بہت سی نئی معلومات جرد ہوں۔ انگریزی میں نیوز پیپر اور اردو میں اخبار کہتے ہیں ۔یعنی خبروں کا مجموعہ خبر یا نئی اطلاع۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا خبروں کے مجموعے قواعد کے نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن جب اس لفظ کو بھی اصطلاح کے طور پر برتا جاتا ہے تو اس کے معنی قدر محدود اور مخصوص ہو جاتے ہیں۔ اخبار خبروں کا مجموعہ تو ہوتا ہے لیکن کس طرح کی خبروں کی خبریں ایسی بھی ہو سکتی ہیں جن کا تعلق صدیوں پہلے ہوئے واقعات سے ہو اس لحاظ سے تاریخ کی ساری کتب کو بھی اخبار کے ہی زمرے میں رکھنا پڑے گا۔ اور شاید دنیا کی ہر اس تحریر کو بھی جس کا تعلق انسانی زندگی کے کسی بھی دور سے ہو میرا خیال ہے ہم اس اصطلاح کو اتنے وسیع معنوں میں استعمال نہیں کر سکتے۔ اس کی کسی نہ کسی حد تک تحدید ضروری ہے اس لئے اشفاق احمد خان اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''لغوی معنی میں خبروں کے مجموعے کا نام اخبار ہے۔ دراصل کسی اخبار کا طے شدہ تمام مواد خبروں پر مشتمل نہیں ہوتا۔ حقیقی خبروں سے مراد وہ اہم اطلاعات ہوتی ہیں جن کے پڑھنے کے لئے ورزانہ صبح ایک قاری بےصبری سے اخبار کا انتظار کرتا ہے۔ اس کو ان خبروں کے ذریعے 24 گھنٹوں میں رونما ہونے والے دنیا کے حالات وحادثات وواقعات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اس خبری مواد کا تعلق ملکی وغیر ودونوں سطحوں سے ہوتا جس سے ہر قاری باخبر رہنے کی خواہش رکھتا ہے۔'' مندرجہ بالا اقتباس سے خبر کے جو لوازم سامنے آتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

خبروں سے مراد وہ اہم اطلاعات ہیں جو پچھلے 24 گھنٹوں کے دوران واقع ہوتے والے حادثات وواقعات سے تعلق رکھتی ہوں۔ ان کا تعلق ملکی وغیر ملکی واقعات سے ہوتا ہے ۔آگے بڑھنے سے پہلے آئے چند ایک تعریفوں کا جائزہ لے لیا جائے ۔تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ خبروں کی ایسی کون کون سی جہتیں ہیں۔ جن کی طرف توجہ دینا ضروری ہے۔

''خبر ایک سچا واقعہ یا خیال ہے جس میں بڑی تعداد میں لوگوں کو دلچسپی ہو۔''

عصری واقعہ جو پڑھنے والوں کے ذاتی مسائل یا ان کے سوسائٹی سے تعلق کے حوالے سے ان کے لئے اہم اور دلچسپ خبر ہو۔ سب سے بہتر خبر وہ ہے جس میں دلچسپی اور اہمیت کے یہ عناصر سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگوں کے لئے زیادہ سے زیادہ موجود ہوں۔ خبر ایک ایسے سچے عصری اور اہم واقعے کا صحیح اور معروضی اور غیر جانبدارانہ مطبوعہ بیان ہے۔ جو اخبار پڑھنے والوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہو۔ خبر ایک ایسی اطلاع ہے جس کو آپ گذرشتہ کل تک نہیں جانتے تھے۔ اگر وہ آپ کے علم میں اضافہ نہیں کرتی تو خبر نہیں۔ اگر وہ کسی کی دلچسپی کا باعث نہیں ہے تو وہ خبر نہیں ہے۔ دوسری طرف ایک بہت ہی دلچسپ افواہ بھی خبر کے دائرے میں نہیں آتی کیونکہ وہ اہمیت سے عاری ہوتی ہے۔

''خبر کسی ایسے عصری واقعے خیال یا صورت حال کا بیان ہے جو عوام کے لئے دلچسپی کا باعث ہو۔''

''خبر کسی چیز کا انکشاف ہے۔''

''خبر ایک اسی چیز ہے جسے کوئی دبا دینا چاہتا ہو''

''خبر اہم واقعات جن سے عوام کو دلچسپی ہو کہ پہلی رپورٹ ہے۔''

''خبر کسی حالیہ واقعے خیال یا مسئلے کا بیان ہے جس سے عوام کو دلچسپی ہو''

''خبر ایسی سب سے دلچسپ اہم اور صحیح اطلاع کا ندارج ہے جو اشیاء کے بارے میں حاصل کی گئی ہو جنہیں انسان نے سوچا، کہا، دیکھا یا کسی طرح عمل کا مظاہرہ کیا ہو۔''

مندرجہ بالا تعریفوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خبر کے جو لوازم سامنے آتے ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

اس کا تعلق کسی ملکی یا غیر ملکی واقعے سے ہو۔

تازہ ترین یا حالیہ واقعے سے تعلق رکھتی ہو۔ عصری انسان مسائل یا مسئلے کا محاکمہ کرتی ہو۔ اس کا تعلق کسی نئے واقعے سے کیونکہ خبر جوں جوں باسی ہوتی جاتی ہے۔ وہ اپنی طاقت سے محروم ہوتی جاتی ہے وقتی اعتبار سے خبر کا تازہ سے تازہ ترین رازنامے کی ضرورتوں کا تقاضا کرتی ہے۔ صداقت اور مصروفیت خبر کی ایک اور اہم خصوصیت ہے کسی واقعے یا واقعے کی تصویر کا متوازن بیان اس کی قدر و قیمت بڑھا دیتا ہے۔ یہاں مبالغے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ نہ بڑھا چڑھا کر پیش کرنے سے واقعے کی اثر پزیریں اضافہ ہی ہوتا ہے واقعہ بذات خود تاثرات کا طوفان سمیٹے ہوئے

ہوتا ہے۔ اس کے بیان میں کسی طرح رنگ آمیزی Anti Changes کا کام کرتی ہے جو خبر کی مرمت کو مجروح کر دیتی ہے اس لئے ایسی کوئی کوشش سودمند نہیں ہو سکتی۔

قارئین کے اردگرد کے ماحول سے اس کا گہرا تعلق ہونا ضروری ہے۔ خبر کا بڑھنے والوں کے ماحول یا زندگی سے جتنا قریبی تعلق ہوگا خبر کا ثر اتنا ہی قوی ہوگا اور قارئین کی نظر میں اہمیت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ اپنے واقعات وحادثات کو چاہے ان کی اہمیت کتنی ہی کم کیونکہ ہو دور کے اہم سے اہم اور بڑے بڑے واقعات اہم تصور کرتے ہیں۔ اس لئے اپنے واقعات یعنی قریبی کے واقعات کی خبری یا اخباری اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ زبان کے اعتبار سے خبر کا عصری ہونا اتنا ہی اہم ہے جتنا مکاں کے اعتبار سے اس کا مقامی ہونا۔

خبر کا دلچسپ ہونا بھی ضروری ہے خبر کی دلچسپ کا دارومدار بھی اس کی زمانی اور مکانی خصوصیت پر ہوتا ہے۔ اسی طرح اپنے وطن سے تعلق رکھنے والی خبر غیر ملکی خبر سے زیادہ سے زیادہ باعث توجہ ہوتی ہے۔ اس کا نیا پن بھی دلچسپی بڑھاتا ہے مثلاً کوئی ایسا واقعہ جو کبھی دیکھا یا سنا نہ ہو عام واقعات سے زیادہ دلچسپی کا باعث ہوتا ہے۔ خبر کا انتخاب کرتے وقت ان سب باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ بسا وقات کسی فرد کی اپنی غیر معمولی شخصیت بھی کسی کی دلچسپی بڑھا دیتی ہے۔ یا کسی عام آدمی کی شخیصت کا اکوئی ایسا پہلو جو غیر معمولی خبر کی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیتا ہے زیادہ شہرت بھی دلچسپی کو بڑھاتی ہے۔ مثلاً کسی حادثے میں اگر مرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے تو یہ پڑھنے والوں کی توجہ کو فوری پر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

اسی طرح واقعا اگر غیر فطری نوعیت کا ہے جب بھی اس کا اثر زیادہ شدید ہوتا ہے تجسس کے عناصر بھی اس کی اہمیت میں اضافہ کرتے ہیں۔ اسی طرح قتل وغارت گری یا جنگ، جنسی استحصال آپسی منافقت، حسن وعشق ایجادات دریافتیں آثار قدیم طنز ومزاح بچوں اور جانوروں کی کہانیاں مہمیاتی نوعیت رکھنے والی خبریں بھی خاص دلچسپی کا باعث ہوتی ہیں۔ جرائم مذہبی واقعات اقتصاری امور فطری تباہیاں المیہ حادثات میاں بیوی کے جھگڑے صحت سائنس وغیرہ موضوعات بھی عوام کی دلچسپی سے تعلق رکھتے ہیں۔

خبر اور کہانی کے فن میں اگر یہ بڑا قریبی رشتہ ہے لیکن یو دونوں ایک ہی چیز نہیں ہیں خبر کی ترتیب وتشکیل کے دوران اخبار نویس یا نامہ نگار کو پھونک پھونک کر چلنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس کی ذرا سی غفلت اس کی ساری محنت پر پانی

پھیر سکتی ہے۔فنی اعتبار سے قربت کے باوجود کہانی اور خبر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ خبر کا تعلق واقعات وافراط سے ہوتا ہے۔جب کہ فرضی واقعات وکرداروں سے خبر میں ایجاد واختراغ کی گنجائش نہیں ہوتی ہے جب کہ کہانی کا زیادہ تر تعلق ان کی دوعناصر سے ہوتا ہے۔واقعہ چاہے سچا ہی کیوں نہ ہو کہانی کار اسے پیش کرنے کے لئے ایجاد واختراع کا سہارا لیتا اور اس طرح زمانی مکانی اعتبار سے ایک محدود اور مخصوص سچائی کو غیر مکانی اور غیر زمانی یعنی آفاقی نوعیت عطا کرتا ہے۔یہ مرکز گریز عمل ہے۔جب کہ خبر کی کہانی مرکز جو عمل کا تقاضا کرتی ہے۔وہ (ادبی کہانی) میں اخبار نویس نامہ نگار یا صحافت کا کردار محض راوی کا ہوتا ہے۔جو اپنی آنکھ معمور کے موئے قلم کی طرح نہیں کیمرے کے شیشے کی طرح استعمال کرتا ہے۔

اس بنیادی اختلافات کے باوجود خبر کی تحریر کے دوران کہانی کے فن سے استفادہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔نامہ نگار یا اخبار نویس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خبر کو کہانی کے طور پر رقم کرنے کے فن سے آشنا ہو اگر وہ خبر کو کہانی بنانے کے باوجود اس کی صداقتوں کو برقرار رکھنے کا گر بن سکتا ہے اور اس فن کو اس کی معراج تک پہنچانے کا فریضہ انجام دے سکتا ہے۔اس کے لئے سب سے پہلے بات جس کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ خبر کی کہانی کا مقصد صرف وضاحت کرنا یا اس کی معلومات میں اضافہ کرنا ہوتا ہے۔جب کوئی ادبی کہانی کا مقصد تفریح فراہم کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اس کے جذبات کو متحرک کرنا اور غور وخوض کرنے کی ترغیب دینا ہوتا ہے۔یہ وہی کام ہے جو سارے فنون لطیفہ انجام دیتے ہیں یعنی مسرت سے بصیرت تک لے جانا خبری کہانی صرف معلومات میں اضافہ کرتی ہے وہ غور وخوض کی ترغیب بھی دے سکتی ہے۔لیکن یہ اس کا بنیادی حق ہے کہ مقصد ہے تاہم دونوں قسم کی کہانیوں کے بنیادی عناصر ترکیبی ایک ہی ہیں ایک صحافی یا نامہ نگار اپنی کہانی کو اس وقت تک کہانی کہہ سکتا ہے جب تک اس کا احساس ہو کر وہ جن لوگوں سے تعلق رکھتا ہے حقیقی اور زندہ لوگ ہیں اور جن اعمال کو پیٹ کر رہا ہے۔وہ ایسے عمل ہیں جنہیں عدالت میں ثابت کیا جا سکتا ہے۔اصل بات یہ ہے کہ خبری کہانی اور ادبی کہانی دونوں کا تعلق واقعے سے ہوتا ہے۔واقعے کے بغیر نہ تو ادبی کہانی وجود میں آسکتی ہے اور نہ خبری کہانی کا پلاٹ واقعات کے سارے مضمرات کو جوڑ کر کہانی کا پلاٹ بنتا ہے۔یہاں تک کے دونوں میں یکسانیت ہے۔اس سے آگے کا سفر دونوں مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے اپنی اپنی منزل تک پہنچتی ہیں۔

ادبی کہانی کے فنکار کے پاس اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے مختلف راستے وہ تے ہیں۔وہ کہانی کے واقعات

ایک لکیر پہ نہیں چلاتا۔اس کا مقصد چونکہ مسرت سے بصیرت تک لے جانا ہوتا ہے اس لئے زبان و بیان کے اعتبار سے بھی واقعات کے ترکیب وتشکیل کے سلسلے میں بھی ایجاد اختراع کے عمل سے کام لیتا ہے۔کبھی وہ کہانی کو انجام سے شروع کرتا ہے۔اور کبھی ابتدا سے لے کر اختتام تک ایک لیک پر چلتا رہا ہے کبھی وہ ماضی سے مستقبل تک سفر کرتا ہے اور کبھی مستقبل سے ماضی کو طرف فلیش بیک صورت میں سرکتا ہے۔کبھی وہ بیک وقت تینوں زمانوں میں سفر کرتا ہے زبان وبیان کے اعتبار سے بھی کسی ایک صیغے کو استعمال کرنا اس کے لئے ضروری نہیں ہوتا کبھی وہ ماضی کا صیغہ استعمال کرتا ہے۔تو کبھی حال کا کبھی وہ مستقبل کے صیغے کو برتتا ہے تو کبھی تینوں زمانوں میں بیک وقت سفر کرتا ہے کبھی صیغۂ حاضر متکلم میں بات کرتا ہے کبھی صیغۂ غائب میں قصہ مختصر ادبی کہانی کے فن کار کے پاس ایک وسیع کائینات ہوتی ہے۔ خبری کہانی کار کے پاس ایک محدود دائرے کے سوائے اور کچھ نہیں ہوتا اس کے لئے بھی اگر چہ تینوں زمانوں کے دروازے کھلے ہوتے ہیں۔اس کے باوجود اس کا زیادہ تر تعلق ماضی سے ہوتا ہے۔یعنی ایسے واقعات سے گذرشتہ 24 گھنٹوں کے دوران رونما ہو چکے ہوتے ہیں۔اور اس طرح اگر چہ وہ عسری حقائق کا ہی درجہ رکھتے ہیں ہر ماضی کا حصہ بن چکے ہوتے ہیں۔

ادبی کہانی میں واقعات کی ترتیب کے وقت واقعاتی وتاثراتی ارتقاء کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ آنے والے واقعہ اپنے سے پہلے واقعے کی کوکھ سے ابھرتا دکھائی دے تو ساتھ ہی اس کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ ہر واقعہ اپنے سے پہلے واقعے سے زیادہ متاثر کرنے والا ہوتا ہے۔تا کہ تاثراتی اعتبار سے بھی کہانی آگے کی طرف مائل رہے۔یعنی اس میں تاثر کی سمت ہمیشہ ارتقاء کی طرف مائل رہتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ خبری کہانی تشکیل دیتے وقت کہانی میں واقعات کی سمت اوپر سے نیچے کی طرف ہوتی ہے۔یعنی سب سے پہلے اہم واقعے کو پیش کیا جاتا ہے اس کے بعد باقی واقعات کو ان کی اہمیت کے اعتبار سے رقم کیا جاتا ہے۔یہاں ادبی کہانی کے پلاٹ کی طرح آغاز، درمیان اور اختتام کے اصولوں کو بھی ان کی منطقی ترتیب کی طرح نہیں برتا جاتا نہ درمیان کو کائمیکس سمجھ کر اس کے بعد پیش کئے گئے واقعات کے حل پیش کئے جاتے ہیں۔

اس کہانی کا مطلب صرف اتنا ہوتا ہے کہ قاری کو واقعے کے اہم پہلوؤں سے روشنا کرایا جائے واقفیت کی قیمت برسر پیکار عناصر تک پہنچا کر اس اثرات کو سمجھنے میں مدد دی جائے جنہوں نے متزکرہ واقعے کو رونما کرنے میں بنیادی کردار

ادا کیا ہے۔لیکن اس کشمکش کی تصویر کشی نہیں کی جاتی جو آغاز وانجام کے درمیان واقع ہوتی ہے۔مجموعی اعتبار سے خبر میں کہانی کے عمل کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے۔خبر کی کہانی میں اہم واقعات کو سب سے پہلے اور کم واقعات کو بعد میں پیش کیا جاتا ہے۔کبھی کبھی اہم ترین واقعے کو سب سے پہلے بیان کرنے کے بعد بقیہ واقعے کو اسی ترتیب سے پیش کر دیا جاتا ہے جس طرح وہ حقیقت میں واقع ہوئے ہوں۔

واقعے کو بے کم وکاست پیش کیا جاتا ہے۔

زبان وبیان کی مصروفیت کو ہر قیمت پر برقرار رکھا جاتا ہے۔

واقعے کی وجوہات اور انجام کو پوری تفصیلات سے پیش کر دیا جاتا ہے۔

اشخاص اور گلیوں کے ناموں کو پوری سچائی کے ساتھ رقم کیا جائے۔

عمل کے مطابق افعال کا استمال کیا جاتا ہے۔یعنی جتنا شدید واقعہ ہو اسی مناسبت سے افعال بھی برتے جاتے ہیں۔

فعل معروف کے استعمال کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے یعنی بجائے یہ لکھنے کے کہ ''خط مجھ سے لکھا گیا'' (میں نے لکھا) لکھنا چاہئے۔

اس بات کو یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ بنیادی طور پر حقیقت کو دھندلا کرنے کا عمل ہے یعنی یہ حقائق کو تصورات بدلنے کا کام کرتی ہے جس کی خبر میں قطعی گنجائش نہیں اس لئے کہانی کے صرف ان ہی پہلوؤں کو خبروں میں برتنا چاہئے جن سے حقائق کی حرمت باقی رہے۔

ایک اچھی کہانی وہی ہے جس میں اچھی کہانی کے بجائے اچھا بیان ہو اور حقائق کے اچھے بیان کے معنی سادہ زبان میں وقعات کو بغیر دخل دئے آئینے کی طرح شفاف کر دیتا ہے۔

یہاں کسی بھی طرح کے مبالغے کی گنجائش نہیں نہ ہی شدید جذبات کی گنجائش ہوتی ہے۔

ایجاد و واختصار اس کی جان ہے یہاں کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ بات کہنا ہوتی ہے اس لئے اس میں غیر ضروری واقعات وتفصیلات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

خبر کی کہانی اسی لئے ترتیب سے تشکیل نہیں پاتی جس ترتیب سے ادبی کہانی ترتیب پاتی ہے۔اس میں تاریخی

ترتیب بھی ملحوظ رہتی ہے۔

خبر اکثر وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں ادبی کہانی ختم ہے۔

نہ ہی صحافی یا نامہ نگار کو کہانی کار کی طرح اظہار کی آزادی ہوتی ہے کہ وہ کسی واقعے پر تبصرہ کر سکے۔ بامرکزی کردار کی روح میں اتر کر اس کے تفسیاتی محرکات کی نشاندہی کر سکے جو بولا کہا جاتا ہے اسے لکھ دیتے ہیں اور اس طرف توجہ نہیں دیتے کہ کوئی کردار سوچتا ہے محسوس کرتا ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ انہیں ہمیشہ عمل کو ہی پیش کرنا ہوتا ہے۔ بغیر اس کی وجوہات کو پوری تفصیلات سے پیش کرنے کے۔

ادبی کہانی ہمیشہ اپنے ہیرو کے فتح یا شکست پر ختم ہوتی ہے۔خبر میں یہ اتنا آسان نہیں ہوتا کیونکہ ایک تو یہاں کی کہانی کی طرح ہیرو ہیروئن نہیں ہوتے اور نہ صحافی کہانی کے مصنف کی طرح جانبداری سے کام لے سکتا ہے۔ دوسرے یہاں اس طرح سے جیت یا ہار نہیں ہوتی بسا وقات یہ فیصلہ کرنا ہی ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنی خبر کو کسی منقطی انجام تک پہنچائے بلکہ اس میں یہ ہوتا ہے کہ واقعات کو پوری صداقت کے ساتھ جس حد تک کے وہ اس وقت اس کی گرفت میں ہی پیش کرنے کے بعد کہانی کو چھوڑ دے۔

ادبی کہانی بذات خود اپنا انجام بھی ہوتی ہے جب کہ خبری کہانی کی ہیئت کو محض ایک لبادے ایک سانچے کی طرح برتتی ہے اس سانچے میں کئی قسم کے عناصر پیش کئے گئے ہیں۔

اکائی نمبر21: سرخیاں کیسے بنائی جاتی ہیں

21.1 تعارف
21.2 ہدف
21.3 سرخیاں کیسے بنائی جاتی ہیں
21.4 امتحانی سوالات
21.5 امدادی کتب

21.1 تعارف

اخبار کی سرخی میں ضروری بات یہ ہوتی ہے کہ اس میں اتنے ہی الفاظ ہوں کہ مختصر جگہ میں کھپ جائیں اور اسی خط وقط میں کھپیں جن کی ہدایت سب ایڈیٹر نے دی ہے۔ انگریزی میں یہ کام آسان اس لئے ہے کہ ٹائپ کے سائز متعین ہوتے ہیں۔ سب ایڈیٹر ان کا پوائنٹ نمبر لکھ دیتا ہے اور حساب لگا لیتا ہے کہ اس کی دی ہوئی سرخی کے الفاظ مختصر جگہ میں آتے ہیں یا نہیں۔ اب تک اردو اخباروں میں کتابت ہاتھ سے ہوتی تھی اور مختصر جگہ میں سرخی کے الفاظ کھپانے کے لئے خط اور قط کا فیصلہ کاتب کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اب کمپیوٹر سے کتابت ہونے لگی ہے۔ لیکن اب بھی اردو کے بعض اخبار کم از کم بڑی بڑی سُرخیاں ماہر کاتبوں سے لکھواتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہاتھ کی لکھی ہوئی سرخی، کمپیوٹر کی سرخی سے زیادہ خوبصورت ہوتی ہے لیکن اصل وجہ غالباً یہ ہے کہ ابھی سب ایڈیٹر حساب نہیں لگا سکتا کہ اس کی تجویز کردہ سرخی مختصر جگہ میں آسکتی ہے یا نہیں۔ کمپیوٹر میں حروف کو کوتاہ یا چوڑا کرنے ان کی بلندی کو بڑھانے یا گھٹانے کی جو گنجائش

رکھی گئی ہے،اس کے استعمال سے سب ایڈیٹراور خود کمپیوٹر آپریٹر پوری طرح واقف نہیں ہیں۔

اخبار میں سرخی دو کام کرتی ہے: اول، سرخی سے قاری کی توجہ خبر کی جانب مبذول ہوتی ہے دوم ،صفحہ کے ڈیزائن میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔لیکن سرخی کا اصل مقصد قاری کی توجہ اپنی طرف کھینچنا ہے۔اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ خبر کی اہمیت کے اصول کو بالائے طاق رکھ کر کسی سرخی کو ضرورت سے زیادہ جگہ دی جاتی ہے یہ اس وقت ہوتا ہے جب سب ایڈیٹر کی لگائی ہوئی سرخی بہت ہی اچھی ہو۔

21.2 ہدف

اس اکائی کا ہدف طلباء وطالبات کو اخبار کی سرخیوں کی اہمیت وضرورت کے متعلق جانکاری بہم پہنچانا ہے۔مزید سرخی کیسے بنائی جاتی ہے اور یہ اخبار کی مقبولیت میں کیا رول ادا کرتی ہے ان سب کی وضاحت اس اکائی کا ہدف ہے۔

21.3 سرخیاں کیسے بنائی جاتی ہیں

کسی بھی کہانی کا کوئی عنوان آسان مسئلہ نہیں ہے خاص طور سے ان حالات میں جب کہ وقت کی تنگی کی وجہ سے صحافی کے لئے کسی کمپیوٹر کی طرح کام کرتے ہوئے فعل کو سرخی سے فراہم کرنا نہایت ضروری ہو یہ مسائل اس وقت اور پیچیدہ ہو جاتے ہیں جب اخبار ہفت ورزہ یا پندرہ ورزہ جریدہ نہیں بلکہ روز نامہ ہو۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں کا کیا ہوتا ہوگا جنہیں اور دو دو اخبار کے دو دو شمارے شائع کرنے ہوں یہ درست ہے کہ اخباروں میں کام کرنے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے۔پر جہاں تک سرخیاں تشکیل دینے کا کام یہ دیکھا گیا ہے کہ یہ کام ہر اخبار میں ایک دو حضرات سے زیادہ لوگوں کے سپرد کیا جاتا ہے۔اکثر ان کے ہاں کوئی آدھ ایڈیٹر بھی یہ کام کرتا ہے۔

خبر کو اگر اخبار کا جسم قرار دیا جائے تو سرخیوں کو اس کا چہرہ قرار دینا چاہئے جس طرح چہرے کو باطن کا عکس قرار دیا جاتا ہے اسی طرح سرخی کی صورت سیرت یعنی اس کی حیاتی وموضوعاتی نوعیت یا قاری کو فوراً اپنی گرفت میں لے

لیتی ہے یا متغیر کر کے اخبار کو جھٹک دینے کے لئے مجبور کرتی ہے۔ انسانی چہرے اور سرخی کے نقوش میں فرق اگر ہے تو صرف اتنا ہے کہ اول ذکر ہیں جہاں تبدیلی اور تفرین دونوں کا دارومدار اخباونویس کے احساس جمال پر ہوتا ہے وہ کاتب یا Compositer کی مدد سے اسے جتنا جلی یا خفی دل کش وجاذب نظر بنایا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس کے پاس ایسا کرنے کے وسائل ہوں۔

سرخیاں اخبار اور اس کے مدیر صحافی دونوں کے مزاج کی عکاسی ہوتی ہیں اس کی ترتیب وتشکیل سے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اخبار اور صحافی کا دونوں کا مقصد قاری کو جزباتی جھٹکے دے کر سستی شہرت حاصل کرنا ہے۔ یا معلومات میں اضافہ کر کے غوروفکر کی ترغیب دینا ہے۔ پہلی قسم کی چونکانے والی سرخیوں میں تاثر کی سمت Climax سے Anti-Climax یعنی عروج سے زوال کی طرف ہوتی ہے۔ جسے قاری کبھی پسند نہیں کرتا جب کہ دوسری قسم کی سرخیوں میں تاثر بڑے متوازن طریقے سے آہستہ آہستہ Climax کی طرف بڑھتا ہے آج سے کوئی ایک صدی پہلے سرخیوں کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی تھی اور نہ ان کی ترتیب تعزین کی طرف اتنی توجہ دی جاتی تھی۔ آج کل سرخیوں کو زیادہ سے زیادہ دلکش اور بصیرت آفروز بنانے پر زور دیا جاتا ہے ان کا جاندار بے حد دلچسپ عمیق دلکش اور طباعتی اور جاذب نظر اہم تصور کیا جاتا ہے سرخی کی تعریف کرتے ہوئے جناب سید اقبال قادری فرماتے ہیں سرخی کبھی کسی خبر مضمون خط بیان تبصرہ یا تحریر کا مختصر ترین اقتباس یا خلاصہ ہوتی ہے کسی بھی مطالعتی مواد کی نوعیت فوری علم حاصل کرنے کے لئے سرخی ضروری ہے۔ بڑے حروف میں دلکش ترین طرز پر لکھی یا چھاپی جاتی ہے۔ سرخی ایک واقع اشازہ ہوتی ہے۔ سرخی کا قلم کار اور قاری کا دونوں کا مددگار ہے۔ عام کتابوں درسی ناولوں افسانوں دینی کتابوں وغیرہ کی سرخیوں سے اخباری سرخیاں کافی مختلف معنی خیز اور پرکشش ہوتی ہے۔ مندرجہ بالا اقتباس سے سرخی کے لوازم سامنے آئے ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

سرخی ایک مختصر ترین اقتباس ہے کو خبر کو عنوان کے طور پر اس پر چپکایا جاتا ہے۔

اس کا دلکش ہونا ضروری ہے تا کہ قاری کی توجہ کو فوری اپنی طرف مبذول کر سکے۔

یہ اس مواد کا خلاصہ ہوتی ہے جو خبر کے بطن میں مذکور ہوتا ہے۔

اس کا معنی خیز اور پرکشش ہونا بھی ضروری ہے۔

اس کی نوعیت ناولوں درسی کتابوں افسانوں ڈراموں اور دینی کتابوں کی سرخیوں سے مختلف ہوتی ہے۔

سرخی کے لوازم سے بحث کرتے ہوئے جناب ایم۔وی۔کامتھر نے جن خصوصیات کو سرخی کی بنیادی شرط قرار دیا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

(الف) مناسب موزوں ہونا۔

(ب) کہانی بیان کرنا۔

(ج) اخبار کے معیار سے مطابقت رکھنا۔

(د) محض لیبل نہ ہونا۔

(ل) محفوظ ہو۔

(ہ) ایسی نہ ہونا جس سے اخبار پر حرف آئے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سرخی کی ترتیب کے لئے صحیح الفاظ یعنی ایسے الفاظ جو جب کہانی کے لئے سب سے مناسب اور موزوں ہوں ہی اس کے مقصد میں کامیابی دلا سکتے ہیں سرخی لامقصد قاری کی توجہ کو فوراً اپنی طرف مبذول کراتا ہے یہ مقصد دو طرح سے حاصل کیا جاسکتا ہے ایک یہ اسے خوبصورت ترین طریقے سے قلم بند کیا جائے یعنی کتابت اس قدر دیدہ زیب و موزوں ہو اور کم سے کم الفاظ خوبصورت املا، اقتباس کی موزوں ترین ساخت یعنی الفاظ بہترین ترتیب اور معنویاتی ہم آہنگی اس کو جاندار بنا سکتی ہے۔

سرخی بھی اسی طرح تخلیقی عمل کے مترادف ہے جس طرح ایک خیال کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرنا فن قرار دیا جاتا ہے۔صحافت نے جیسے جیسے اتقا کی مختلف منزلیں سے کی ہیں ویسے ویسے سرخی کے فن میں بھی نئی نئی جدتیں پیدا کی گئی ہیں۔

سرخی کی ترتیب کے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ کاتب ہر لفظ کو واضح اور الگ الگ لکھے تاکہ قاری کو پڑھنے میں وقت نہ ہو الفاظ کے درمیان مناسب فاصلہ رکھنا ضروری ہے۔بعض اوقاس کاتب سرخی کی تعزین کی خاطر اس کی کتابت کرتے ہوئے اپنے نقش و نگار بناتا ہے کہ اصل الفاظ میں گم ہو کر رہ جائیں یا الفاظ کو ایک دوسرے پر اس طرح کیا جاتا ہے کہ قاری کو پڑھنے کے لئے کافی وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ایسا کرتے ہوئے یہ یاد رکھا چاہئے کہ

پڑھنے والا ایک نظر میں ساری دنیا کی معلومات حاصل کرنے کا متمنی ہوتا ہے۔ بسا وقات وہ ساری خبر پڑھنے کے بجائے وقت کی تنگی کی وجہ سے محض سرخیاں پڑھ کر ہی کام چلاتا ہے ان حالات میں اگر سرخی پڑھنے میں بھی اسے وقت کا سامنا کرنا پڑے تو وہ اخبار کو اٹھا کر پھینک دیتا ہے چنانچہ اسی بات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ صرف اتنے ہی الفاظ استعمال کئے جائیں جن کے لئے جگہ میسر ہو اختصار کے چکر میں کہیں یہ نہ ہو کہ معنی ہی ضبط ہو کر رہ جائے سرخی کی ساخت قواعد کی روح سے مجروح ہو جائے۔

سرخی میں ہمیشہ حال کا صیغہ استعمال کیا جانا چاہئے کہ خبر چاہے کتنی پرانی کیوں نہ ہو یہ ظاہر نہ ہونا چاہئے کہ وہ باسی ہے ایسا کرنے سے ان کی دل کشی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح فعل معروف (Active votce) کا ہی استعمال کیا جائے نہ فعل مجہول (Passive Voice) کے زمانے کو ظاہر کرنے والے افعال سے اجتناب بہتر ہوتا ہے۔ یعنی سرخی میں تھا، ہوگا، ہے کہ الفاظ بشرطکیہ وہ کسی کا قول نہ ہو برتنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

سرخی کا واضح اور تحقیقی ہونا بھی ضروری ہے یعنی اس میں اختصار کے ساتھ کسی طرح کا ابہام نہ ہونا چاہئے ابہام جہاں شاعری کے تاثر کو بڑھا دیتا ہے اور اس کے محاسن میں شمار ہوتا ہے۔ صحافت میں عیب سمجھا جاتا ہے اس لئے یہاں ابہام کی گنجائش نہیں سرخی میں تو خاص طور سے اس سے بچنا چاہئے اگر کسی مالی نقصان کا ذکر کرنا مقصود ہو تو یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ کتنا نقصان ہوا اور کیوں اور کیسے مثلاً سیلاب سے بے پناہ مالی نقصان کی جگہ سیلاب میں ہزاروں افراد جان بحق اور کروڑوں روپے کی فصلیں برباد زیادہ مناسب ہے۔

آپ نے دیکھا کہ اردو اور انگریزی کے اخبار کبھی کبھی دو قسم کی سرخیاں ایک ساتھ استعمال کرتی ہیں اردو جلی اوپر لگائی جاتی ہے اور خفی اس کے نیچے انگریزی کے اخباروں میں کبھی خفی اوپر ہوتی ہے اور کبھی جلی۔ انگریزی والے اس دوہری سرخی کے چکر سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہے ہیں اور انہیں ایک ہی سرخی کا رواج عام ہوتا جا رہا ہے اردو والوں کو بھی یہی راستہ اپنانا چاہئے اس سے جگہ ضائع ہونے سے بچ جاتی ہے دوہری سرخی کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد خبر پڑھنے کو بھی جی نہیں چاہتا کیونکہ ساری کہانی تو سرخیوں میں بیان ہو جاتی ہے نیچے اس کی تکرار کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

اب اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ اخبار کے کسی بھی صفحے پر ساری سرخیاں ایک ہی قسم کی نہیں ہونی

چاہئے یعنی صفحے کی سب ہم سرخی کو سب سے جلی حروف میں رقم کرنا چاہئے اور کم اہم کو دوسرے قلم سے اس سے اخبار کے صفحہ میں خوش نما تنوع پیدا ہوتا ہے جو قاری کی آنکھ کو اچھا لگتا ہے۔ اسی طرح کچھ سرخیاں خط نستعلیق اور کچھ کو خط شکستہ میں بھی سودمند ہوسکتی ہیں انگریزی میں ہی کام (Iaelics) کے استعمال سے لیا جاسکتا ہے۔

کسی سرخی یا شہ سرخی کو زیادہ سے زیادہ دل کٹ بنانے کا ایک طریقہ یہ ہے ایک اسے کسی ایسی تصویر یا کارٹون کے ساتھ شائع کیا جائے جو خبر کی کہانی نسبت رکھتا ہو تقریر یا کارٹون نہ حرف خبر کی تفہیم ہیں بلکہ اضافہ کرتے ہیں بلکہ اسے زیادہ مؤثر بھی بناتے ہیں۔ تصویر کے ساتھ ایک خوبصورت عنوان بھی اگر لکھا ہوتا خبر کی کہانی دو آتشہ ہوجاتی اس بات کا خیال بھی ضروری ہے کہ خبر کی کہانی کے لئے جس ٹائپ یا قلم کا ستعمال کیا جائے اسی قلم سے تصویر یا کارٹون کا عنوان نہ لکھا جائے کارٹون یا تصویر کا عنوان منفرد نظر آنا چاہئے۔

اگر ایک خبر کے لئے ایک سے زیادہ تصویریں استعمال کرنا ہوں تو ہر ایک کے ساتھ الگ عنوان لگانا چاہئے تاکہ ہر تصویر کے موضوع کا صاف پتہ چل جائے۔

اخبار کے مختلف صفحات پر لگنے والی سرخیوں کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں اور ان کا پنا انحصار ہر صفحے کی اپنی اہمیت پر ہوتا ہے۔ مثلاً اخبار کے کل صفحات میں پہلے صفحہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

اس لئے اس امیں انہیں خبروں کو شامل کیا جاتا ہے جو صرف نوعیت کے اعتبار سے سب سے اہم ہوتی ہے بلکہ جو ہر قسم کے قارئین کی دلچسپیوں کی تشفی کا باعث ہوتی ہیں۔ مثلاً قارئین کا ایک بھاری طبقہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو سیاسی اور ملکی حالات میں سب سے زیادہ دلچسپی لیتے ہیں اور اخبار سامنے آتے ہی جن کی نگاہیں سب سے پہلے ایسی خبروں کو تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اسی طرح بہت سے لوگ قتل وغارت گری کی خبروں کے رسیا ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ سب سے پہلے ایسی ہی سرخیوں کے متلاشی نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اخبار نویس کا فرض ہے کہ وہ ہر نوعیت کی اہم خبروں کو پہلے صفحہ پر جگہ دے اور ان کی سرخیوں کو ان کی نوعیت کے اعتبار سے تشکیل دے۔

تاہم یہ خیال رہے کہ سرخیوں کہ ہیئت کو ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ ان کی ہیئت کو مستقبل حیثیت عطا نہ کریں کیونکہ اس رح سرخیاں ٹائپ بن جاتی ہیں اور ان کی تکرار قارئین کو متنفر کردیتی ہے یعنی ایک دن اسے جس طرح تحریر کیا جائے دوسرے دن اسے بھولا دینا چاہئے۔ یہ ادل بدل دل کشی میں اضافہ کرتا ہے۔

سرخی کی ترتیب وتشکیل میں کچھ باتوں سے بچنا بھی ضروری ہے اس سلسلے میں اظہار وخیال کرتے ہوئے سید اقبال قادری فرماتے ہیں سرخیاں لکھتے وقت عمدہ ذوق کا مظاہرہ ضروری ہے سرخی میں اعتراض طنز یا پھبتی سے احتراز کرنا چاہئے کسی بات کو توڑ مروڑ کی کوشش کو ناحتاجی ہی نہیں بلکہ انسانی بددیانتی ہے الفاظ جہاں اظہار کا بہترین اور مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔ وہاں خطرات کا پیش خیمہ بھی ہیں۔ سرخی سے کسی فریادادارے کی توہین کا امکان ہے خصوص طور پر بین الاقوامی خبروں کی سرخیاں تحریر کرتے وقت غیر معمولی احتیاط کی ضرورت ہے ذرا سی غفلت کسی بھی ملک سے تعلقات سے کشیدگی کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ بین الاقوامی دوستی اور خیر سگالی کے جذبات کا تقاضا وے کہ ہم اخباری سرخیوں کے ذریعے کسی ملک کے احساسات کو ٹھیس پہنچانے سے بچیں۔

جنگ کے زمانے میں سرخیاں کافی احتیاط اور ذمہ داری سے لکھی جاتی ہیں۔ معمولی سے معمولی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے جنگ کے دوران سخت قوانین نافذ رہتے ہیں اور ملک کے دفع کی خاطر کسی بھی صحافی کو گرفتاری اور نظر بندی کا خدشہ لگا رہتا ہے۔ اسی طرح قومی معائیدوں اور دیگر مین الاقوامی یا دیگر ریاستوں کی خبریں بڑی احتیاط سے لکھی جاتی ہیں۔ مزدوروں کی ہڑتال اور احتجاجی جلسوں اور جلوسوں کی خبروں کی سرخیاں بھی محتاط ہوں استعمال انگیز یا غیر جانبداری سے پرہیز لازمی ہے۔

سرخی میں عجیب اور اعجازی الفاظ استعمال نہ کئے جائیں عمدہ ترین، افضل ترین، مشہور ترین، قدیم ترین، اہم ترین جیسے فوقیت والے صیغوں سے احترام کیا جائے بہت بڑی قیمتی بہت ضروری جیسے الفاظ استعمال نہ ہوں بڑا حادثہ، بڑی چوری، بڑا قتل، جیسے فقرے سرخی کو واضح نہیں کرتے جو شے سرخی نویس کو بڑی یا اہم محسوس ہو وہ ضروری نہیں کہ ہر قاری کے لئے عظیم ترین ہو۔

جو خبر بالکل مستند نہیں ہے اور افواؤں پر مبنی ہے اس کے ساتھ ایک علامت استفہامیہ یعنی سوالیہ نشان سرخی میں لگانا ضروری ہے اب آخر میں سرخیوں کی چند ایسی اقسام کا ذکر دینا بھی ضروری ہے کہ جنہیں اخباروں میں عام طور پر برتا جاتا ہے ایک عام رائے کے مطابق انہیں مندرجہ ذیل چھ اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

یہاں یہ کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ جن اقسام کا ذکر کیا جارہا ہے ان کا زیادہ تر تعلق انگریزی اخباروں سے ہے اردو اخباروں میں ان سبھی اقسام کی سرخیاں برتی نہیں جاتیں۔

ایک سطری (Cross Line) اخباروں میں استعمال ہونے والی سرخیوں میں یہ سب سے مقبول قسم ہے۔ یہ ایک ہی سطر پر مشتمل ہوتی ہے۔ چاہئے لمبائی کے عتبار سے کیسی بھی کیوں نہ ہو یعنی ایک دو تین چار کالمی ہی کیوں نہ ہو اگر کالموں کی تعداد سرخیوں کی لمبائی سے زیادہ ہو تو سرخی کو دونوں طرف برابر چھوڑ کر صحیح لگایا جاتا ہے اس سرخی کی کتابت بہت آسان ہوتی ہے۔

کئی سطری سرخیاں (Drop Line) یہ ایک ایسی سرخی ہوتی ہے جسے کئی سطروں میں لکھا جاتا ہے کم سے کم سطروں کی تعداد دو اور زیادہ سے زیادہ سطروں کی تعداد چار تک ہوتی ہے۔ زیادہ تر اخباروں میں اس سرخی کے لئے دو یا دو سے زیادہ سطریں استعمال نہیں کی جاتیں۔ دوسری سرخی لگاتے وقت اردو اخباروں میں دائیں طرف تھوڑی سی جگہ خالی چھوڑی جاتی ہے۔ انگریزی کے اخباروں میں کہیں یہ جگہ بائیں رہتی ہے۔

اہرام معکوس سرخی (Inverted Pyramid) اس سرخی کو اس طرح سے ترتیب دیا جاتا ہے کہ الٹی تکون کی سی شکل بن جاتی ہے۔ اس کو الٹا ہرام بھی کہتے ہیں۔ اسے تحریر کے وقت پر دوسری سطر پہلی سطر سے چھوٹی ہوتی ہے۔ اس لئے اس بات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ دوسری سطر پہلی کے درمیان بامرکز میں لکھی جاتی ہے۔

معلق سرخی (Hanging Indent) اس سرخی میں پہلی سطر کافی لمبی ہوتی ہے۔ دوسری تیسری اور چوتھی سطروں میں کافی اور یکساں حاشیہ دیا جاتا ہے۔ آخری سطر جہاں ختم ہوتی ہے سرخی کو بھی اس جگہ ختم کر دیا جاتا ہے۔ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو۔ انہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے باقی سطریں پہلے سے نکلی ہوئی ہوں۔

مربع نما سرخی (Square Indention) یہ سرخی بھی تین چار سطری ہوتی ہے اور اسے لکھتے وقت دائیں جانب (انگریزی) اخباروں میں بائیں جانب دو تین سینٹی میٹر کا حاشیہ چھوڑ دیا جاتا ہے اخباروں میں اس طرح کی سرخیاں بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ اسے زیادہ تر رسائل میں برتا جاتا ہے۔

21.4 نمونہ برائے امتحانی سوالات

---

1 سرخیاں کیسے بنائی جاتی ہیں۔ وضاحت کریں۔

اکائی نمبر22: کالم نگاری کے اصول وضوابط

ساخت

22.1 تعارف

22.2 ہدف

22.3 کالم نگاری کے اصول وضوابط

22.4 امتحانی سوالات

22.5 امدادی کتب

22.1 تعارف

کالم نویسی ایک ایسا فن ہے جو قارئین کو ان کی معلومات میں اضافہ کرنے میں مدد کرتا ہے۔کالم بھی خبر کی ایک قسم ہوتی ہے جس میں کسی تازہ ترین واقعہ کا ذکر ملے جو واقعات ہو چکے ہیں یا ہونے والے ہیں ان کے بارے میں معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔کالم نویسی مختلف موضوعات پر مبنی ہوتی ہے۔ان موضوعات میں سیاست،کھیل کود،فلم،طنز و مزاح،سائنسی سرگرمیاں اور حالات کا تجزیہ شامل ہیں۔

22.2 ہدف

اس اکائی میں کالم نگاری کے اصول وضوابط پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ کالم نگاری کے کیا کیا اصول ہیں اوراخبار میں اس کی کیا اہمیت ہےاوراس کی اقسام کیا ہےان سب کی وضاحت اس اکائی کا ہدف ہے۔

22.3 کالم نگاری کے اصول وضوابط

کالم نویسی ایک ایسا فن ہے جس کے لئے صحافتی تجربہ کے ساتھ معلومات کا خزانہ ہونا ضروری ہے۔مثلاً فلمی کالم۔فلموں میں اخلاقی گراوٹ ماردھاڑ اورخون خرابے کے مناظر کے نوجوان نسل پر اثرات کوموضوع سخن بنا کر اصلاحی باتیں کی جاتی ہیں۔اسی طرح کھیل کود کے کالم میں مختلف ٹیموں کی کارکردگی کو کالم نویس اپنے نظریے سے پیش کرتا ہے۔ بعض اخبارات میں کچھ مستقل کالم ہوتے ہیں جو ہر ہفتہ شائع کئے جاتے ہیں اوربعض کالم نویس ہر موضوع پر اتنے اچھے کالم لکھتے ہیں کہ اخبارات بھاری قیمت ادا کر کے ان کے کالم حاصل کرتے ہو۔

اخبار صرف خبروں کا ہی مجموعہ نہیں ہوتا بلکہ اس میں عصری مسائل پر لوگوں کی آرا بھی اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہوتا ہےان آزاء کو تین طریقوں سے پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔مثلاً کسی مسئلے پر اخبار کی مجموعی رائے کوادارئے کے ذریعے ابھارا جاتا ہےعوام کی آراء خطوط کی شکل میں سامنے آتی ہے جب کہ اخبار کے عملے کی آراء کوایسے کالموں کے ذریعے خاص وعام تک پہنچایا جاتا ہے جو کالم نویسوں کے نام ہی سے مخصوص ہوتے ہیں نام کے لئے چھپتے ہیں ایسے کالموں کے لئے کسی عنوان کا ہونا بھی اس لئے ضروری سمجھا جاتا رہا ہے کہ اس نے خبراور کالم میں تمیز کرنے میں قارئین کوآسانی ہوتی ہے۔

کالم کے ذریعے کالم نویس اہم اور پیچیدہ عصری مسائل کووضاحت کرنے میں قارئین کو نہ صرف انہیں سمجھنے میں مدد دیتا ہے بلکہ بغیر کسی طرح ترغیب دئے انہیں ان کے حل کے لئے بھی ذہنی طور پر تیار کرتا ہے اس میں پیش کے

سارے خیالات کالم نویس کی اپنی آراء کے ضمیر سے ابھرتے ہیں۔اس لئے انہیں ان کی ذاتی آراء سے منسوب کر سکتے ہیں۔لیکن چونکہ یہ آراء ایک مدت تک ان مسائل پر غور وخوض کے بعد قائم کی گئی ہوتی ہیں۔اس لئے ان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔وہ ہمیشہ حق گو حق پرست،اور حق کا متلاشی ہوتا ہے۔

اداریے اور کالم میں موضوعاتی اعتبار سے اگر چہ بہت حد تک مشابہت ہوتی ہے لیکن ان کا اسلوب ایک سا نہیں ہوتا۔اداریے کے اسلوب کو اگر ہم رسمی قرار دیتے ہیں تو کالم کیا سلوب کو ہم شگفتہ اور غیر رسمی قرار دے سکتے ہیں۔اداریہ صرف نتائج کو پیش کرتا ہے۔ جب کہ کالم نتائج کو پیش کرتا ہے اور ساتھ ساتھ ان اسباب کو بھی بیان کر دیتا ہے۔جن کی بنا پر وہ نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔

کالم نویس کسی بھی مسئلے کے بارے میں جو کچھ کہتا ہے وہ ان کی جچی تولی رائے ہوتی ہے وہ کسی بات سے وقتی طور پر متاثر ہو کر اس کے بارے میں نہیں کرتا بڑے غور خوض کے بعد اپنے رویوں کی تشکیل عمل میں لاتا ہے اسی لئے ایک بات کسی مسئلے کے بارے میں اپنی رائے مرتب کر لینے کے بعد وہ پھر اسے بدلتا نہیں اس پر اعتقاد کی حد تک یقین رکھتا ہے۔ چنانچہ جب وہ اس رائے کو قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے تو پوری وفاداری کے ساتھ اور دلائل کے ساتھ ان کی مدد سے پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے تا کہ وہ ان پر غور وخوض کر کے ان کی صحیح نوعیت تک پہنچنے کی کوشش کریں اس کا مقصد پارئین کو اپنی آراء سے اتفاق کرنے پر مجبور کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف یہ کہ وہ ان کے کالم کو دلچسپی سے پڑھ کر غور وخوض کرنے کی تحریک پائیں۔

کالم کے ذریعے کالم نویس بڑے آزادانہ طریقے سے عصری مسائل یا حالات حاضرہ پر اپنی رائے دیتا وہ مطالعے، مشاہدے اور غور وخوض کی فکر کے بعد کسی مسئلے کے ایسے ایسے پہلو سامنے لاتا ہے جس کے بارے میں کسی نے سوچا تک بھی نہیں ہوتا۔وہ ہر بات کو بڑی ذمہ داری کے ساتھ لکھتا ہے۔

سنجیدہ کالموں کے ساتھ ایسے کالم بھی لکھے جاتے ہیں۔جن میں طنز ومزاح کا عنصر غالب رہتا ہے۔انہیں مزاحیہ کالموں کے زمرے میں رکھا جاتا ہے طنز کی کاٹ اور مزاح کی چاشنی ان میں بے پناہ اثر پیدا کر دیتی ہے۔جن سے وہ فوراً قارئین کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔

کالم کو مسلسل صحافتی فیچر کے نام سے بھی منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ یہ تسلسل کے ساتھ مدت تک جاری رہتا ہے

اورایک ہی عنوان کے تحت روزمرہ زندگی کے مسائل کو پیش کرتا رہتا ہے۔

کالم نویسی نے اب ایک معتبر درجہ کا پیشہ حاصل کرلیا ہے اور کالم نویسوں کو داتشوروں صحافیوں کے اہم طبقے میں شمار کیا جاتا ہے جن کی آراء نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ امریکہ اسی لئے انہیں سیاسی پنڈت ،قصیدہ گو، ہرفن مولا، روشندان ایسے نام سے منسوب کیا جاتا ہے دنیا کے ہر مسئلے پر ان کی رائے کو جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہمارے اس دور کے اہم کالم نویسوں میں خشونت سنگھ، خاجہ احمد عباس، راجندر پوری وغیرہ کے نام حاصطوں سے لئے جاسکتے ہیں۔
کالموں کی مختلف اقسام کا جہاں تک تعلق ہے انہیں پانچ قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) رنگ برنگا کالم۔

(۲) ذاتی کالم

(۳) مزاحیہ کالم

(۴) سنڈیکیٹ کالم

(۵) خصوصی کالم

رنگ برنگے کالم میں جن موضوع کی کوئی قید نہیں ہوتی ہر قسم کے موضوعات کو اس میں پیش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ایسے کالموں کو چوں چوں کا مربع بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ ذاتی کام میں البتہ کالم نویس کسی خصوص موزوں پر ذاتی رائے کا اظہار کرتا ہے۔ وہ اپنے مطالعے، مشاہدے کی مدد سے ایسی دلیل پیش کرتا ہے کہ قاری مرعوب ہوجاتا ہے۔ وہ اپنی شہرت اور تجربے سے فائدہ اٹھائے ہوئے ہر بات زوردار انداز میں پیش کرتا ہے اور اپنے ذاتی خیالات پر بڑا زور دیتا ہے۔ مزاحیہ کالم میں طنز ومزاح کی مدد سے حالات حاضرہ کو زیادہ متاثر کن بنایا جاتا ہے۔ ایک ماہر کالم نویس سنجیدہ سے سنجیدہ مضمون پر کالم لکھ کر اپنے خیالات کو زیادہ موثر بنا سکتا ہے۔ جو پیشہ وار ادارے تحریر کر کے اخباروں کو فراہم کرتے ہیں۔ یہ کسی ایک فرد کے نہیں بلکہ اداروں کے تحریر کردہ ہوتے ہیں یا وہ ادارے کالم نویسوں سے کالم خرید کر مقررہ قیمت پر اخباروں کو مہیا کرتے ہیں۔ ان کو سنڈیکیٹ کالم کہتے ہیں۔ ایسے کالم جو مخصوص موضوعات پر لکھے جاتے ہیں خصوصی کالم لکھے جاتے ہیں۔ یہ کالم وہ لوگ لکھتے ہیں جنہیں اس موضوع پر ماہرانہ قدرت حاصل ہوتی ہے۔ ان کا تعلق اکثر قلم کھیل کود، صنعت وحرفت، ماحولیات، پکوان، کشیدہ کاری اور فوٹو گرافی وغیرہ سے ہوتا ہے۔

4.4 نمونہ برائے امتحانی سوالات

1 کالم نگاری کے اصول وضوابط پر روشنی ڈالیں۔

2 کالم نگاری کی اقسام اور اخبار میں اس کی اہمیت پر روشنی ڈالیں۔

4.5 امدادی کتب

1 اردو صحافت۔مرتب انور علی دہلوی

2 اردو صحافت کا سفر۔گربچن سنگھ

3 اردو صحافت سمت ورفتار۔ڈاکٹر اعجاز حسین شاہ

اکائی نمبر 23: ایڈیٹر کے نام خطوط

ساخت

23.1 تعارف

23.2 ہدف

23.3 ایڈیٹر کے نام خطوط

23.4 امتحانی سوالات

23.5 امدادی کتب

23.1 تعارف

اخبار کے دفتر میں موصول ہونے والے خطوط دراصل اپنے دور کے آئینے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔یعنی ان کے ذریعے سے اس دور میں عوام کیا محسوس کرتی ہے اور کس طرح سوچتی ہے اس کی عکاسی ہوتی ہے۔چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اخبار میں چھپنے والے خطوط ایک اہم دستاویز کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔جن کی اہمیت تمدنی تاریخ مرتب کرنے والے تاریخ نویسوں کے لئے بہت زیادہ ہوتی ہے۔دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اخبار جہاں دوسرے کالموں کی مدد سے ملک کی سیاسی تاریخ کی تعریف کرتا ہے۔یہ خطوط ملک کی تمدنی تاریخ مرتب کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں انہیں نظر انداز کر کے تمدنی تاریخ مرتب نہیں کی جاسکتی۔

5.2 ہدف

اس اکائی میں اخبار کے متعلق اخبار کے دفتر میں موصول ہونے والے خطوط کا تذکرہ کیا گیا ہے خطوط کا گہرا تعلق اخبار کی اہمیت ومقبولیت سے ہے۔ یہ خطوط اخبار کی اصلاح بھی کرتے ہیں اور اس کی مقبولیت میں بھی اضافہ کرتے ہیں۔اس کی وضاحت اس اکائی کا ہدف ہے۔

5.3 ایڈیٹر کے نام خطوط

اس بات سے لگ بھگ سب واقف ہیں کہ اخبار میں چھپنے والے مواد سے عوام کے ردعمل کا پتہ اخبار کے ایڈیٹر یا عملہ کے خطوط کے ذریعے معلوم ہوتا ہے۔ جو اخبار کے دفتر میں ہر روز بھاری تعداد میں پہنچتے ہیں۔ان خطوط میں یا تو کسی خبر سے متعلق اظہار رائے کیا گیا ہوتا ہے یا اخبار میں چھپنے والے کسی مضمون یا فیچر یا ادارئے کے بارے میں خط لکھنے والے نے بحث ومباحثہ کیا ہوتا ہے۔ اخبار کا دفتر موصول ہونے والے ان خطوط کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اخبار کے دفتر میں ایک عملہ اسی کام کے لئے مخصوص کیا گیا ہوتا ہے۔ وہ ان خطوط میں درج کی گئی معلومات کی ایک رپورٹ بنا کر چیف ایڈیٹر کے سامنے پیش کرتے ہیں تا کہ نہ صرف ان کو شائع کیا جائے بلکہ اگر کوئی سوالات پوچھے گئے ہیں تو ان کے تسلی بخش جوابات بھی ایڈیٹر کی طرف سے دیئے جائیں۔ان خطوط کی اہمیت کے پیش نظر ہی ان خطوط کا اداریہ بھی ہوتا ہے اور چند مضامین بھی۔

یہ صحیح ہے کہ اخبار کے دفتر میں ملنے والے خطوط کو شائع نہیں کیا جا سکتا کیونکہ زیادہ خطوط ایسے ہوتے ہیں جن میں تعریف وتوصیف کو اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنی اہمیت تو وہ تنقید کو دیتا ہے۔ یا اخبار میں شامل کسی مضمون پر لکھی گئی تنقید کو حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اخبار کے خطوط مخصوص صفحے پر خطوط شائع کئے گئے ہوتے ہیں۔ ان میں یا تنقید کی گئی ہوتی ہے یا تردید یا کسی مضمون کے بارے میں مزید معلومات کا اضافہ کیا گیا ہوتا ہے۔

اخبار کے دفتر میں موصول ہونے والے خطوط دراصل اپنے دور کے آئینے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔یعنی ان کے ذریعے سے اس دور میں عوام کیا محسوس کرتی ہے اور کس طرح سوچتی ہے اس کی عکاسی ہوتی ہے۔چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اخبار میں چھپنے والے خطوط ایک اہم دستاویز کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔جن کی اہمیت تمدنی تاریخ مرتب کرنے والے تاریخ نویسوں کے لئے بہت زیادہ ہوتی ہے۔دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اخبار جہاں دوسرے کالموں کی مدد سے ملک کی سیاسی تاریخ کی تعریف کرتا ہے۔یہ خطوط ملک کی تمدنی تاریخ مرتب کرنے معاون ثابت ہوتے ہیں۔انہیں نظر انداز کر کے تمدنی تاریخ مرتب نہیں کی جاسکتی ہے۔

23.4 نمونہ برائے امتحانی سوالات

---

1 ایڈیٹر کے نام لکھے گئے خطوط اخبار کی اصلاح اور اہمیت میں کیا کردار ادا کرتے ہیں وضاحت کیجئے۔

2 ایڈیٹر کے نام خطوط کس نوعیت کے ہوتے ہیں، وضاحت کریں۔

23.5 امدادی کتب

---

1 اردو صحافت۔مرتب انور علی دہلوی

2 اردو صحافت کا سفر۔گربچن سنگھ

3 اردو صحافت سمت و رفتار۔ڈاکٹر اعجاز حسین شاہ

اکائی نمبر 24: اچھے اخبار میں زبان کی اہمیت

24.1 تعارف

24.2 ہدف

24.3 اچھے اخبار میں زبان کی اہمیت

24.4 امتحانی سوالات

24.5 امدادی کتب

24.1 تعارف:

اخبارات کی دنیا میں ترسیل کو نمایاں اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اخباری زبان اور ادبی زبان میں فرق ہوتا ہے۔ اخباری زبان کو بالکل سادہ اور بغیر حاشیہ آرائی اور مبالغہ آرائی کے ہونا چاہئے۔ خبر کو جوں کا توں بیان کر دینا چاہئے۔ ویسے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خبر میں اپنے خیالات اور جذبات کو شامل نہیں کرنا چاہئے۔

24.2 ہدف

اس اکائی میں اخبار میں زبان کی اہمیت پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایک اچھے اخبار میں ان سب کی وضاحت اس اکائی کا ہدف ہے۔

24.3 اچھے اخبار میں زبان کی اہمیت

خبر میں غلط الفاظ و معنی کو بالکل دخل نہیں ہوتا ہے۔ ایک صحافی کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار اخبار کے ادارتی کالم میں کرے۔ اخباری زبان بالکل سلیس اور سادہ ہو اور ایسی ہو کہ اس کو ایک عام اور معمولی تعلیم یافتہ انسان بھی سمجھ سکے۔ اخبار میں خبر لکھتے وقت خبر کے منظر اور پس منظر کو بھی ضرور بیان کرنا چاہئے۔ اگر خبر لکھتے وقت اس بات کا خیال نہ رکھا گیا تو زبان کا زور اس کا اثر اور اس کی افادیت ختم ہو جائے گی۔

اخباری زبان کی ایک اور خصوصیت یہ بھی کہ جب خبر شائع کی جائے یا لکھی جائے تو پھر اس سے متعلق بعد کو آنے والی تفصیلات بھی ضرور لکھی جائیں اور جب تک ایسا نہ ہوگا خبر مکمل نہیں ہوگی۔ جب کہ ادبی زبان میں ایسا کچھ نہیں ہوتا اور ان میں آگے آنے والی تفصیلات کا سوال نہیں ہوتا ہے۔ اخباری زبان میں سیاق وسباق کا خاص طور سے خیال رکھا جاتا ہے بغیر سیاق اور سباق کے اخباری زبان مکمل نہیں رہتی ہے۔

اخبار اظہار کا ایک ایسا وسیلہ ہے جسے خاص و عام تک پہنچانے کیلئے زبان کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ ادب کی ایک ایسی شاخ ہے جو ایک طرف زبان کے زیادہ سے زیادہ وسائل کو برتتے ہوئے اظہار کو مکمل کرنے کی کوشش کرتی ہے اور دوسری طرف ادب کی مختلف شاخوں میں تخلیق ہونے والے ادب کو چھاپ کر اسے خاص و عام تک پہنچا کر اپنے قارئین کی ادبی تشفی یا ادبی ذوق کی تکمیل کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ ان دونوں فریضوں کی ادائیگی کیلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ صحافی کو زبان و بیان پر پورا عبور حاصل ہو تا کہ اطلاعات و نظریات کو عوام تک پوری ذمہ داری سے پہنچایا جا سکے۔ اس لئے اس میں ادبیت ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ان اصطلاحات سے واقفیت ہونی چاہئے جن کا خاص طور سے تعلق صرف صحافت یا اخبار سے ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اخبار میں استعمال ہونے والی زبان کا معیار بلند ہونا ضروری ہے۔ وہاں ان اصطلاحات کو برتنا بھی ضروری ہے جن سے صحافت کو آسانیاں میسر آتی ہیں۔

یہاں اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا بہت ضروری ہے کہ اخبار میں جتنا مواد چھپتا ہے۔ جتنی قسم کی تحریریں اس میں شائع کیں جاتی ہیں۔ ان سب کے اپنے منفرد تقاضے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ یہ کہا جاتا ہے کہ صحافت کی زبان میں

ادبیت ہونا چاہئے اس کے معنی ہرگز یہ نہیں کہ اس میں حد تک مبالغہ ہو کہ وہ صحافت کے فرائض کی نفی کا باعث ہو۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ زبان ایسی نہ ہو کہ جس کو بازاری یا کم درجے کی زبان قرار دیا جاتا ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے صحافتی زبان کو کچھ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے مثلاً خبروں کی زبان کو ہم سائنٹفک زبان قرار دے سکتے ہیں۔ یعنی خبروں کی زبان بالکل ایسی ہونی چاہئے جس سے خبر کو بے کم و کاست پیش کیا جاسکتا ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ایسے ادبی الفاظ کو استعمال کرنا ضروری ہے۔ جو اظہار کی معروضیت کو برقرار رکھ سکیں۔ خبروں کی زبان میں شاعری نہیں کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کی ادبی زبان کو اتنا گاڑھا بنایا جاسکتا ہے کہ مفہوم ہی خبط ہو کے رہ جائے۔

خبروں کی زبان کے مقابلے میں فیچر، کالم یا مختلف مضامین کی زبان کو زیادہ ادبی بنایا جاسکتا ہے وہاں ایجاز واختصار کے فن کو بھی بخوبی اپنایا جاسکتا ہے۔ لیکن یہاں بھی ادبی شان پیدا نہیں کی جاسکتی ہے۔ البتہ زبان کا معیاری ہونا بہت ضروری ہے۔ اور ان اصطلاحات کا برتنا بھی ضروری ہے جن کا تعلق ان شعبوں سے ہے یعنی کچھ الفاظ ایسے ہیں جو صرف تجارت میں برتے جاسکتے ہیں۔ اس لئے ان کا تجارتی صفحے پر ہونا بہت ضروری ہے۔ بیکاری کی اصطلاحیں اور اس طرح کھیل کود اور شادی بیاہ کے اشتہارات اپنی اصطلاحات یا زبان کے سانچے میں ڈھالے جاسکتے ہیں۔

اخبار کا سب سے اہم حصہ اس کا اداریہ ہوتا ہے۔ اسے تحریر کرتے وقت اداریہ نگار جہاں ایک طرف خالص سائنٹفک زبان استعمال کرتا ہے وہاں زیادہ سے زیادہ معیاری زبان کا استعمال کر کے اسے کبھی ادبی بنانے کی کوشش بھی کرتا ہے لیکن یہاں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے وہ پوری وضاحت کے ساتھ اپنے قارئین تک پہنچائے۔ یہ بات اوپر کہی جاچکی ہے کہ صحافت ایک ایسا شعبۂ ہے کہ جس کی اپنی الگ زبان ہوتی ہے۔

6.4 نمونہ برائے امتحانی سوالات

---

۱) اخبار میں زبان کی اہمیت پر روشنی ڈالیں۔

۲) اخباری زبان کس طرح کی ہونی چاہئے وضاحت کریں۔

Assignment Questions

Course No. : 206 M.A Urdu, Semester-II

M. Marks: 20 (each assignment contain 10 marks)

(نوٹ) مندرجہ ذیل میں دیئے گئے دونوں سوالات کے جوابات لکھنا لازمی ہے۔

سوال نمبر1۔ صحافت کی تعریف کرتے ہوئے اردو صحافت کے ارتقائی سفر کا جائزہ پیش کیجئے۔

سوال نمبر2۔ خبر کی تحریر اور کالم نگاری کے اصول وضوابط کے ساتھ ساتھ اخبار میں معقول زبان کی اہمیت قلم بند کیجئے۔

☆☆٪☆☆☆=٪☆☆٪☆٪٪☆٪☆☆

Course Contributors /Content Editing:

1. **Dr. Shafi Ayoub** **(Lesson 1, 2 & 3)**
   CIL, SLL&CS JNU, New Delhi.

2. **Dr. Ajaz Hussain Shah** **(Lesson From 4 to 24)**
   Lecturer, Deptt. of Urdu, University of Jammu.

Proofreading: & Editing. **Dr. Liaqat Ali**
Lecturer in Urdu. DDE, Jammu University.

© Directorate of Distance Education, University of Jammu, Jammu 2018

* All rights reserved. No part of this work may be reproduced in any form, by mimeograph or any other means, without permission in writing from the DDE, University of Jammu.

* The script writer shall be responsible for the lesson/script submitted to the DDE and any plagiarism shall be his/her entire responsibility.

Printed By : M/S DTP Prit-O-Pack/20/800

DIRECTORATE OF DISTANCE EDUCATION
UNIVERSITY OF JAMMU
JAMMU

SELF INSTRUCTION MATERIAL
M.A. URDU (SEMESTER SECOND)

COURSE NO: 206 (URDU JOURNALISM)

UNIT I-IV **LESSON : 1-24**

PROF. (DR) SHOHAB INAYAT MALIK — COURSE COORDINATOR

DR LIAQAT ALI — INCHARGE TEACHER

http:/www.distanceeducationju.in

(C) All copyright privileges of the material vest with the Directorate of Distance Education, University of Jammu, Jammu-180006